لکھنؤ
تعمیرِ حیات
ہندو اورہ

مُسلمانوں کے لئے راہِ عمل

”ہم یہاں اس لئے آئے ہیں کہ اللہ کے بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں داخل کریں۔ دنیا کی تنگی سے نجات دیکر وسعت وکشائش کی راہ دکھائیں۔ ظلم وجور سے بچا کر عدل وانصاف کی فضا میں لائیں۔ بنی آدم ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں انکے درمیان برادرانہ محبت قائم ہونی چاہئے۔ ہماری نظر میں انسانوں کے درمیان شریف و کمین کی تقسیم صحیح نہیں ہے ہم انسانوں کی خود ساختہ اونچ نیچ کے قائل نہیں ہیں۔ ہم تمام آدمیوں کو ایک ہی اصل کی شاخیں سمجھتے ہیں اور سب کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہتے ہیں۔ ملک گیری اور کشور کشائی ہمارا مقصد نہیں ہے۔ ہم انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلانے کے لئے آئے ہیں۔ اگر ہماری بات مان لی جائے تو ہم واپس لوٹ جائیں گے۔“

مذکورہ بالا الفاظ میں عرب قاصدوں نے امرائے ایران اور شاہِ ایران کے سامنے اپنے مقاصد پیش کئے۔ یہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے مبارک عہد کا واقعہ ہے۔ مسلمان جب سرزمین عرب سے باہر نکلے اور روما و ایران کی حدود میں داخل ہوئے تو ان کے دلوں میں یہی پاک خیالات تھے اور وہ نوع انسانی کی خیر خواہی وہمدردی کے غیر معمولی جذبات اپنے سینوں کے اندر رکھتے تھے۔ ملکوں کا فتح کرنا، سلطنتیں قائم کرنی، مال و دولت کے انبار لگانے اور عیش وعشرت کی زندگی بسر کرنا اُن کا مقصد نہ تھا۔ درحقیقت وہ نوع انسانی کی پریشانیوں سے دلگیر تھے۔ اُن کا مقصود یہ تھا کہ ظلم وستم کے مارے ہوئے انسانوں کو امن وسکون اور راحت وآرام نصیب ہو۔ سلاطین وامراء کی چوکھٹوں پر جھکے ہوئے سروں کو اُٹھا کر وہ رب العالمین کے سامنے سر بسجود کرنا چاہتے تھے، وہ ہر قسم کی مشکلیں عوام الناس کی راہ سے دور کرنا چاہتے تھے۔ اپنی راحت وآرام کا ذرہ برابر بھی خیال نہ تھا بلکہ ان کی دلی آرزو تھی کہ خود تکلیف اُٹھا کر دوسروں کو آرام پہونچائیں۔ وہ شاہانہ شکوہ وجبروت سے ناآشنا اور امیرانہ عیش وعشرت سے کوسوں دُور تھے۔ اُن کے حکمرانوں کو بادشاہت کا لفظ بھی گوارا نہ تھا۔ وہ موٹا جھوٹا کھا کر اور پھٹا پُرانا پہن کر انسانوں کی خدمت کیا کرتے تھے، وہ کسی معاملے میں اپنی فوقیت اور ترجیح کے روادار نہ تھے بلکہ ملک کے معمولی سے معمولی باشندے کی ضرورت کو اپنی ضروریات پر ترجیح دیتے تھے اور سارے ملک کو کھلا کر خود کم سے کم پر گزر کرتے تھے۔

(مولانا عبد السلام قدوائی ندوی مرحوم)

۱۰ مارچ ۱۹۸۱ء
سالانہ چندہ: ۲۰ روپے
فی کاپی: ایک روپیہ

Regd No. LW/NP 56
Phone: 22949
29747
TAMEER-E-HAYAT
Fortnightly
(NADWATUL-ULAMA LUCKNOW-226007 (INDIA)
SARFRAZ

مجلس ادارت
نگرانِ اعلیٰ
مولانا ابو العرفان ندوی
مدیر: الحفیظ ندوی
شمس الحق ندوی
محمود الازہار ندوی

پرنٹر، پبلشر جمیل احمد ندوی نے جے۔ کے آفسیٹ پرنٹنگ پریس دہلی میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات، شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔

جہاز لوب بی ٹانک
بچوں کے تمام اعضا کو طاقت بخشتا ہے اور دانت نکلنے کی اذیت سے محفوظ رکھتا ہے

دماغین
تمام دماغی کام کرنے والوں کے لئے نایاب تحفہ
شربت نزلہ
کھانسی، زکام، نزلہ کے لئے
خون صفا
خون کی خرابی، پھوڑے پھنسی، خارش اور داد وغیرہ کی دوا
چند مشہور اور پیٹنٹ دوائیں
دواخانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی، علیگڈھ

لحمینہ
سرگرم اور پُرجوش زندگی گزارنے کے لیے
کھوئی ہوئی طاقت و توانائی حاصل کرنے کے لیے لحمینہ لیجیے! جسے بارہ سو سے زیادہ دوائیں بنانے والے ہمدرد نے طویل عرصہ کی تحقیق اور تجربات کے بعد تیار کیا ہے۔
لحمینہ ان چالیس اجزا کا مرکب ہے جو عضلات اور اعصاب کو نئی قوت و تازگی دیتے اور ان کو صحیح کارکردگی کے لیے متحرک کرتے ہیں۔ آپ کو اگر ایک چست و توانا جسم کی ضرورت ہے تو لحمینہ آزمائیے۔ اسے آپ کامیاب پائیں گے اور نتیجہ میں آپ بھی کامیاب ہوں گے۔
لحمینہ
مردوں اور عورتوں کے لیے کلیدی اعضاء کی قوت

ہمدرد

بمبئی میں
خالص گھی اور میوہ جات سے بھرپور
مٹھائیاں اور حلویات
عمدہ ولذیذ
سلیمانی افلاطون
اس کے علاوہ خصوصی پیشکش
ڈرائی فروٹ برفی
ملک کیک * قلاقند * ملائی * برفی * کوکو ملائی برفی
ہر قسم کے تازہ و خستہ
بسکٹ
اور
نان خطائیاں
خریدنے کا قابل اعتماد مرکز
سلیمان عثمان مٹھائی والے
مینارہ مسجد کے نیچے بمبئی
فون 320059
برانچ ۱ — ۳۳ محمد علی روڈ بمبئی ۳

تعمیر حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۱۸ | ۱۰ مارچ سنہ ۱۹۸۱ء ــــــ ۳ جمادی الاول سنہ ۱۴۰۱ھ | شمارہ نمبر ۹

نرخ تعاون

اندرون ملک ــــــ بیس روپے

فی پرچہ ــــــ ایک روپیہ

بیرون ملک۔ بحری ڈاک۔ بحری ممالک ۵ پونڈ

ہوائی ڈاک

ایشیائی ممالک ــــــ ۷ پونڈ

افریقی ممالک ــــــ ۸ پونڈ

یورپ امریکہ ــــــ ۱۰ پونڈ

اداریہ:

ایک خوش آئند اقدام

گذشتہ ماہ کے وسط میں۔ جزیرہ نما عرب کے جنوب مشرق اور مشرق میں آباد چھ خلیجی ریاستوں نے ایک نئی تنظیم قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ان میں سعودی عرب، کویت، متحدہ عرب امارات، قطر، بحرین اور عمان ہیں۔ ان ممالک نے یہ فیصلہ ریاض میں کیا تھا اور ان کے مقاصد میں علاقہ کی سلامتی کے تحفظ کے لئے ریاستوں کے مابین باہمی تعاون کو فروغ دینا اور وسائل کو یکجا کرنے کا اہتمام ہے۔ اس اجلاس میں شریک ممالک نے جن میں اکثر وبیشتر مالدار اور مغرب نواز ہیں غیر ملکی طاقتوں پر انحصار ترک کرنے، باہمی اتحاد اور تعاون پر زور دیا ہے اور اس کو مضبوط کرنے کے لئے ان ممالک کے مابین نئی تنظیم کا قیام حصول مقصد کے لئے ایک اہم وسیلہ کے طور پر اپنایا۔

یہ ممالک جغرافیائی طور پر ایک دوسرے سے قریب ہیں اور تیل کی دولت سے مالا مال بھی ہیں اور حال و مستقبل کے تقاضوں سے واقف بھی ہیں، انکی تہذیب ایک ہے، ان کی زبان ایک ہے اور ان کے مفادات ایک ہیں، اور سب سے بڑھ کر ان کا لازوال دین ایک ہے اس لئے ایک وسیع مقصد کو حاصل کرنے کے لئے باہمی اتحاد و تعاون سب سے بڑی کامیابی ہے۔ ان ملکوں کے مابین اگرچہ طریقہ کار اور میدان میں فرق موجود ہے مگر اس فرق سے کہیں نہیں اشارہ ملتا ہے کہ یہ ممالک اس علاقہ کی تنظیم کو مضبوط و مستحکم کرنے کے علاوہ کسی اور امر پر غور کر رہے ہوں۔ کویت خلیج کے ملکوں کے مابین سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی شعبوں میں تعاون چاہتا ہے سعودی عرب متعلقہ ممالک کو مشترکہ دفاع کے معاہدہ سے منسلک کرنا چاہتا ہے۔ عمان مشترک فوج قائم کرنے کے متعلق ممالک کو اس کے مصارف برداشت کرنے کے اصول پر کاربند ہے اور اپنے وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے غیر ملکی انحصار کو کم کرنا چاہتا ہے اور اپنی سلامتی و حفاظت کے لئے مطلوبہ ضروریات ملکی وسائل سے پورا کرنا چاہتا ہے۔

اس کانفرنس کے موقف کی پوری وضاحت سعودی ولی عہد شہزادہ فہد بن عبدالعزیز کے اس انٹرویو سے ہوجاتی ہے جو انھوں نے اس تنظیم کے قیام کے ایک ہفتہ بعد دیا تھا اور تنظیم کے خد وخال اور کام کرنے کے خطوط کا ذکر کیا جس میں انھوں نے تمام شریک ممالک کے درمیان تمام اہم شعبوں میں کام کرنے کے قواعد کو یکساں بنایا اور انھوں نے امید ظاہر کرتے ہوئے یہ بھی بتایا کہ تشکیل خلیجی کونسل برائے تعاون سے خلیج کے ملکوں میں مزید اتحاد پیدا ہوگا جس سے اس علاقہ کے لوگوں کو فائدہ پہونچے گا، انھوں نے اپنے اس انٹرویو میں ان ملکوں کے مابین قریبی تعلقات اور مختلف شعبوں میں تعاون کو مستحکم کرنے کی خواہش کا بھی اظہار کیا نیز انھوں نے یہ بھی بتایا کہ یہ تنظیم نہ کوئی فوجی یا سیاسی بلاک ہے اور نہ کسی کے خلاف ہے یہ ایک تعمیری قدم ہے جس کا مقصد خلیجی ملکوں کی فلاح و بہبود کے تحت اس علاقہ کو استحکام اور ترقی کی ضمانت حاصل کرنا ہے۔

انھوں نے تنظیم کے مقاصد کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ خلیج کے ملکوں میں سیکورٹی کے سلسلہ میں سیاسی روابط پہلے ہی سے موجود ہیں اور اس تنظیم کے قیام سے مزید تعاون اور ربط پیدا ہوگا اور شریک ممالک کے درمیان بہت باتیں مشترک ہیں انھوں نے تاریخی تعلقات کی وجہ سے ضرورت محسوس کی کہ وہ مشترکہ مقاصد اور خوشحالی کے حصول کے لئے ایک مشترکہ تنظیمی ڈھانچہ قائم کریں۔

انھوں نے کونسل کے میدان کار کی وضاحت کرتے ہوئے یہ بات کہی کہ یہ علاقائی رابطے اور اقتصادی اور سماجی شعبوں میں قریبی تعاون کی ضرورت محسوس کرنے کے لئے قائم کی گئی ہے، کونسل رکن ممالک میں معیشت، خزانہ، تعلیم، ترک واختیار وطن، ثقافت، صحت، ٹرانسپورٹ، ذرائع ابلاغ، تجارت اور کسٹم کے لئے یکساں قواعد رکھے گی۔ اسی قسم کی باتیں بحرین کے امیر عیسیٰ بن سلمان آل خلیفہ نے کہی، انھوں نے یہ باتیں کویت کے ایک اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے کہی۔ انھوں نے کہا کہ خلیج کے ممالک مشترک دفاعی منصوبہ تیار کر رہے ہیں اور اس علاقہ کے امن و استحکام اور سلامتی کے ذمہ دار خود اس علاقے کے ممالک ہیں جو خلیج میں غیر ملکی مداخلت کے خلاف مزاحمت کریں گے۔

مذکورہ بالا ملکوں میں اتحاد و تعاون کی ایک نئی کوشش ہر لحاظ سے قابل تحسین ہے کیونکہ یہ ممالک اس کے ذریعہ اپنے کو متحد کر سکیں گے اور جزیرہ کو شر پسندوں اور غیر ملکی مداخلت سے محفوظ رکھ سکیں گے، اور اس سے سب سے بڑی کامیابی ان کو یہ ملے گی کہ اس کے ذریعہ ان کو اپنے افراد تیار کرنے میں سہولت ہوجائے گی اور وہ جو اپنا سرمایہ مغربی ممالک

(بقیہ صفحہ پر)

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے لہذا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپکی خدمت میں پہنچتا رہے تو اس کا سالانہ چندہ مبلغ بیس روپے ارسال فرمائیے۔ اگر اگلے شمارہ کی روانگی سے پہلے آپ کا چندہ یا خط موصول نہ ہوا تو یہ سمجھ کر کہ آپ کو وی۔ پی۔ ہی سے چندہ ادا کرنے میں سہولت ہے۔ اگلا پرچہ مع وی۔ پی خرچ Rs.23/25 کے مطالبہ میں وی۔ پی سے روانہ ہوگا۔ چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا نمبر خریداری لکھنا نہ بھولیں۔

کتاب وسنت سے

اہل وعیال پر خرچ کرنے کی فضیلت

(مولانا سید عبدالحی حسنیؒ)

آیات:

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ۔ (سورۂ بقرہ آیت۔ ۲۱۸)

اور یہ بھی تم سے پوچھتے ہیں کہ (خدا کی راہ میں) کون سا مال خرچ کریں۔ کہہ دو جو ضرورت سے زیادہ ہو۔

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔ (سورۂ بقرہ آیت ۲۳۳)

اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور کپڑا دستور کے موافق باپ کے ذمہ ہوگا۔

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا اٰتٰىهُ اللّٰهُ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَا اٰتٰىهَا۔ (سورۂ طلاق آیت۔ ۷)

صاحب وسعت کو اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا چاہیے اور جس کے رزق میں تنگی ہو وہ جتنا خدا نے اس کو دیا ہے اس کے موافق خرچ کرے، خدا کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اسی کے مطابق جو اس کو دیا ہے۔

وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ۔ (سورۂ سبا آیت۔ ۳۹)

اور تم جو چیز خرچ کروگے وہ اس کا تم (کو) عوض دے گا۔

حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ثواب کی امید رکھتے ہوئے جب مسلمان اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے تو وہ خرچ صدقہ میں شمار ہوتا ہے۔ (متفق علیہ بالفاظ بخاری)

حضرت ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے ورثہ کو مالدار چھوڑ دو یہ اس سے بہتر ہے کہ ان کو فقیر چھوڑو اور وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں، اللہ کی رضا کے امیدوار ہو کر تم جو کچھ بھی خرچ کروگے اس پر اجر کے مستحق ہوگے حتی کہ اپنی بیوی کے منہ میں جو لقمہ رکھو اس پر بھی اجر پاؤ گے۔ (متفق علیہ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ کے نبی! میں ابو سلمہ پر خرچ کروں تو کیا مجھے اجر ملے گا، میں ان کو بحالت زار نہیں چھوڑ سکتی وہ میرے ہی بیٹے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! تم ان پر جو کچھ خرچ کروگی اجر پاؤگی۔ (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اللہ کی راہ میں ایک دینار خرچ کرتے ہو، کسی غلام کو آزاد کرنے میں دینار خرچ کرتے ہو، کسی غریب پر خرچ کرتے ہو، اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتے ہو، ان میں سے سب سے زیادہ اجر تم کو اس پر ملے گا جو تم اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتے ہو۔ (مسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی جو پیسے خرچ کرتا ہے اس میں سب سے افضل وہ ہے جو اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے اور اللہ کی راہ میں سواری پر خرچ کرتا ہے اور اللہ کی راہ میں چلنے والے اپنے ساتھیوں پر خرچ کرتا ہے۔ (مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی کے گناہ کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ جن لوگوں کی ضروریات کا کفیل ہے ان کی دیکھ ریکھ نہ کرے۔ (ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ صدقہ کرو! ایک شخص نے کہا اللہ کے نبی! میرے پاس ایک ہی دینار ہے۔ آپ نے فرمایا، اس کو اپنے ہی اوپر صدقہ کرلو، پھر اس نے کہا میرے پاس دوسرا بھی ہے، آپ نے فرمایا، اس کو اپنے لڑکے پر صدقہ کردو، اس نے کہا میرے پاس ایک اور بھی ہے۔ آپ نے فرمایا، اس کو اپنے خادم پر صدقہ کردو، پھر اس نے کہا میرے پاس ایک اور بھی ہے، آپ نے فرمایا تم زیادہ اچھی طرح سمجھتے ہو کہ اس کو کہاں خرچ کرو۔ (ابوداؤد و نسائی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بنو عذرہ کے ایک شخص نے، اپنے ایک غلام کو مدبر بنایا (یعنی کہا کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے اس شخص سے پوچھا تمہارے پاس اس کے علاوہ بھی کوئی مال ہے؟ اس نے کہا نہیں، تو آپ نے فرمایا، اس غلام کو مجھ سے کون خریدتا ہے؟ چنانچہ نعیم بن عبداللہ عدوی نے اس کو آٹھ سو درہم میں خرید لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وہ آٹھ سو درہم لے کر اس شخص کے پاس تشریف لائے اور اس کو دے دیا۔ پھر فرمایا: اپنے آپ سے شروع کرو، پہلے خود پر صدقہ کرو پھر اگر بچ رہتا ہے تو اپنے اہل وعیال پر صدقہ کرو، اہل وعیال سے بھی بچ رہتا ہے تو اپنے رشتہ داروں پر خرچ کرو، اگر رشتہ داروں سے بھی بچ رہتا ہے تو پھر دل کھول کر جو بھی سامنے آجائے اس کو دو۔ (مسلم)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنو نضیر کا کھجور فروخت فرماتے تھے اور گھر والوں کے لئے سال بھر کا خرچ روک لیتے تھے۔ (بخاری)

بمبئی میں

خالص گھی اور میوہ جات سے بھرپور

مٹھائیاں اور حلویات

عمدہ ولذیذ

سلیمانی افلاطون

اس کے علاوہ خصوصیت سے

ڈرائی فروٹ برفی

بک کیک • قلاقند • ملائی • برفی • کوکو ملائی برفی

ہر قسم کے تازہ وخستہ

بسکٹ

اور

نان خطائیاں

خریدنے کا قابل اعتماد مرکز

سلیمان عثمان مٹھائی والے

مینارہ مسجد کے نیچے بمبئی

فون 320059

برانچ: ۳۳۔ محمد علی روڈ بمبئی ۔ ۳

مولانا امتیاز علی خاں عرشی کی وفات پر

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں جلسۂ تعزیت

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں مولانا امتیاز علی عرشی کے سانحہ وفات کی خبر بڑے افسوس و رنج کے ساتھ سنی گئی، مولانا مرحوم کے جو دیرینہ تعلقات دارالعلوم ندوۃ العلماء سے رہے ہیں اور انھوں نے جس طرح اپنے تعلق و یگانگت کا ثبوت مختلف موقعوں پر دیا ہے، ان کی بنا پر دارالعلوم ندوۃ العلماء کے متعلقین کے دلوں میں مولانا کی بڑی قدر و منزلت رہی ہے، چنانچہ اس سانحہ سے سب کو بہت رنج ہوا، مولانا مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کی گئی اور ایصالِ ثواب کے لئے ختم قرآن کیا گیا۔

اساتذہ کی طرف سے جلسۂ تعزیت کیا گیا جس کی صدارت مولانا ابوالعرفان خانصاحب ندوی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء نے کی اور انھوں نے مولانا مرحوم کی خوبیوں پر روشنی ڈالی اور ان کی وفات کو مسلمانوں اور علم و ادب سے وابستگان کے لئے ایک بڑا حادثہ قرار دیا۔ جلسہ میں پسماندگان کے لئے مخلصانہ اور نیک جذبات ظاہر کئے گئے اور خدائے تعالیٰ سے دعا کی گئی کہ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

ممتاز محقق و عالم مولانا امتیاز علی خاں عرشی کا ۲۵ فروری کی صبح کو انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کی وفات دنیائے علم و ادب کے لئے عظیم سانحہ ہے اور اس کی تلافی آسان نہیں۔

عرشی صاحب کا شمار مشرقی علوم اور اردو ادب کے صف اول کے لوگوں میں ہوتا تھا انھوں نے علمی خدمت اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنایا تھا اور پوری عمر تحقیق و تدوین کے کام میں صرف کی اور بہت سی قدیم کتابوں کو ایڈٹ کر کے شائع کیا۔ مولانا کا بڑا کارنامہ مکاتیب غالب ہے جو اردو ادب کی تاریخ میں سنہرے حرفوں سے لکھا جائے گا اس کتاب کو مولانا ابوالکلام آزاد نے بہت پسند کیا تھا اور ساہتیہ اکادمی نے ۱۹۷۱ء میں عرشی صاحب کی تالیف "دیوان غالب" پر پانچ ہزار روپیہ کا انعام دیا تھا۔ عربی کے استاد اور عالم کی حیثیت سے حکومت ہند نے مولانا کے لئے تین ہزار روپئے سال کا وظیفہ مقرر کیا تھا۔ حکومت اترپردیش نے بھی ان کی ادبی خدمات کے سلسلہ میں پانچ ہزار روپئے کا انعام دیا، عربی ادب کے سلسلہ میں نمایاں کارنامہ انجام دینے پر صدر جمہوریہ جمہورنے ۱۵ اگست ۱۹۷۲ء کو علمی و ادبی اعزاز دیا۔ اس سے پہلے ۱۹۶۶ء میں اردو عربی کی خدمات کے سلسلہ میں ایک یادگاری مجلہ پیش کیا گیا جس کی تیاری ڈاکٹر ذاکر حسین کی نگرانی میں ہوئی تھی اور اس پر ڈاکٹر ذاکر حسین نے لکھا کہ اگر عرشی صاحب نہ ہوتے تو بہت سے قلمی نسخوں نے دن کا اجالا نہ دیکھا ہوتا۔

مولانا متعدد کتابوں کے مصنف، مؤلف اور مترجم تھے اور ان کی ہر کتاب اپنے موضوع پر حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے وہ مایہ ناز نقاد بھی تھے ان کی عربی و فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں ہمہ گیری اور لازوال شخصیت نے اُن مٹ نقوش چھوڑے ہیں انھوں نے علم و تحقیق کے معیار کو وہ بلندی عطا کی ہے جس سے بحیثیت مجموعی پورے مشرق کا سر بلند ہے۔ غالب ان کے مطالعہ کا خصوصی موضوع تھا اور تنہا غالب کے سلسلہ میں مولانا نے اتنا سرمایہ فراہم کر دیا ہے کہ ان کی ذات دائرۃ المعارف کا ہم پلہ بننے کے لئے کافی تھی۔

عرشی صاحب نے پوری زندگی علم و ادب کی خدمت میں گذاری، اردو ادب ہو کہ تفسیر، تاریخ ہو کہ سوانح غرض آپ نے ہر فن کی کتابوں پر قلم اٹھایا اور اس پر محققانہ نظر ڈالی اور دنیا کو روشناس کرایا مگر جس نے آپ کو دنیا میں دوام بخشا وہ ہے "دیوانِ غالب"۔ اس کی ترتیب و تدوین جو آپ کے نام سے مشہور ہے اور اس کو دیسے ہی عمدہ و نفیس شائع کیا گیا۔

مولانا عرشی صاحب کی مشہور تصانیف میں مکاتیب غالب، نادرات شاہی، دیوانِ غالب (نسخۂ عرشی)، فرہنگ غالب، تاریخ اکبری، عربی مخطوطات کی فہرست جس کی اب تک چھ جلدیں چھپ چکی ہیں۔ اردو مخطوطات کی فہرست (مطبوعہ ایک جلد) ان کے علاوہ بے شمار مضامین مختلف رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔

عرشی صاحب نہ صرف ایک زبردست عالم اور علوم اسلامیہ کے ماہر تھے بلکہ ایک عظیم انسان اور اہل علم کے لئے مشعل راہ بھی تھے انھوں نے گوشہ نشینی کو ترجیح دی اور حد سے زیادہ قناعت پر گذر کی ان کی زندگی ایثار و قربانی کی تھی ان کو ۱۹۵۷ء میں ایران و افغانستان کی ثقافتی سفارت پیش کی گئی اور ڈھائی ہزار تنخواہ تجویز ہوئی تو انھوں نے اس سے اس وقت انکار کر دیا جب کہ ان کی تنخواہ ڈھائی سو تھی، نیز جب حکومت نے مولانا کی خدمت میں ۱۲ ہزار روپئے عربی مخطوطات کا کیٹلاگ تیار کرنے پر دیا تو وہ آپ نے لائبریری کو بطور عطیہ دیدی جو اس وقت مالی بحران سے دوچار تھی۔

عرشی صاحب کو ان تینوں زبانوں میں مہارت و کمال حاصل تھا اور ان کے تبحر علمی کا یہ حال تھا کہ برصغیر کے تمام تشنگان ادب ان سے ہر اس معاملہ میں رجوع کرتے تھے جن کے بارے میں ان کو شبہ ہوتا تھا۔

عرشی صاحب ۸ دسمبر ۱۹۰۴ء میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام ممتاز علی خاں تھا اور والد نے حسب خواہش علم دین کی تعلیم دی اور آپ کی تعلیم کی ابتدا عربی سے ہوئی۔ آپ نے ۱۹۲۳ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی عالم کی سند حاصل کی۔ ۱۹۲۴ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے منشی کامل کا امتحان فرسٹ ڈویژن سے پاس کیا۔ ۱۹۲۶ء میں انگریزی سے میٹرک کا امتحان دیا اور ۱۹۳۲ء میں عرشی صاحب ریاست کے سرکاری کتب خانہ میں نگراں کی حیثیت سے ملازم ہوئے، ریاست کے انضمام کے بعد کتب خانہ مرکزی سرکار کی تحویل میں چلا گیا اور اس کا نام رضا لائبریری رکھا گیا تو عرشی صاحب کو اس کا ڈائرکٹر مقرر کیا گیا اور وہ آخر تک اس عہدہ پر فائز رہے۔

رضا لائبریری اولاً نواب رامپور کے خاندان کی لائبریری تھی مگر جب وہ عرشی صاحب کے ہاتھوں میں آئی تو کتابوں کا ذخیرہ بڑھ گیا اور وہ ایک ادارہ بن گئی جہاں نہ صرف وہ خود بلکہ علم و ادب کے بے شمار خوشہ چیں اور محقق مشغول رہے۔

ندوہ کو اس بات پر فخر ہے کہ مولانا کی ندوہ اور ارباب ندوہ سے بہت قریبی تعلق رہا ہے اور ایک زمانہ میں مولانا ندوہ کے اسٹاف میں بھی تھے اور مولانا نے جو عظمت و مرتبہ پایا تھا اس کے باوجود وہ اپنا انتساب طبقہ علماء ہی سے پسند کرتے تھے اور یہ چیز ان کی زندگی اور مضامین اور کتابوں میں عیاں ہے۔

اب مولانا اس لائبریری کے سبزہ زار میں مدفون ہیں جس کی انھوں نے زندگی بھر آبیاری کی۔

(ترتیب از ادارہ)

نازک ترین مسئلہ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم سیرت نبوی کانفرنس میں شریک ہونے تھے اس موقع پر مصر کے ایک ... نامور صحافی استاذ "جابر رزق" نے چند اہم باتیں دریافت کیں جس کو مصر کے مشہور اور وقیع ماہنامہ "الدعوۃ" نے شاہ سرخیوں کے ساتھ شائع کیا۔ ان باتوں کی اہمیت کے پیش نظر اسکا ترجمہ ہدیۂ ناظرین ہے۔

محمد خالد ندوی
جامعہ اسلامیہ بھٹکل

ہندوستانی مسلمان:

سوال جابر رزق: کیا آپ ہندوستانی مسلمانوں کے سلسلے میں کچھ بتائیں گے، نیز فرقہ وارانہ فسادات کی حقیقت اور اس کے اسباب پر کچھ روشنی ڈالیں گے؟

جواب حضرت مولانا ندوی مدظلہ: اس نازک اور دقیق موضوع پر تبصرہ کرنے اور اس کے ہر پہلو کا احاطہ کرتے ہوئے کسی قسم کا جائزہ لینے کے لئے ایک طویل وقت چاہیئے تاکہ سیر حاصل گفتگو ہو سکے۔ جس کے لئے اس موقع پر گنجائش نہیں۔ البتہ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کو اپنی اسلامی اور دعوتی زندگی کی راہ میں بہت سے ایسے مسائل و مشکلات کا سامنا ہے جس سے گذر جانا بہت دشوار اور انتہائی صبر آزما ہوا کرتا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ خدا کے فضل و کرم سے اسلامی، اقدار کی حفاظت اور ملی تشخص کی بقا کے لئے ہر طرح کی تگ و دو وسعی جانگسل میں مصروف ہیں اور انشاء اللہ لاکھوں دشواریوں کے باوجود وہ اس سے سرمو انحراف نہیں کریں گے بلکہ اس کے لئے وہ اپنے آپ کو وقف کئے رہیں گے اور یہ اسپرٹ محض اللہ رب العزت پر ان کے کامل اعتماد اور نبی عربی محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم)، کی ذات اقدس سے گہری عقیدت اور بیکراں محبت نیز دین و ایمان کے مرکز وحی و قرآن کے مہبط سے والہانہ لگاؤ و تعلق اور غیر متزلزل، بے پایاں عقیدت کی وجہ سے ہے نیز ہر وہ چیز جس کا اسلام یا داعی اسلام علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی قسم کا تعلق ہے۔ صبر و تحمل اور استقامت کے ساتھ اس پر پوری قوت سے جمے رہنے کی بدولت اور ہر قسم کے طوفان و حوادث کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کے باعث ہے۔ اگر ان کی جگہ کوئی دوسری قوم ہوتی تو کبھی وہ گھٹنے ٹیک دیتی، اس کے شخصی اور ملی اقتدار ختم ہو چکے ہوتے بلکہ اس قوم کا نام و نشان تک مٹ چکا ہوتا لیکن یہ قوم اپنے دین و عقیدہ اور مقصد میں دوسروں سے بہت ممتاز ہے۔

نازک ترین مسئلہ:

مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان تعلقات کی ناہمواری بلکہ انتہائی کشیدگی ہی سب سے بڑی مشکل اور نازک ترین مسئلہ ہے۔ اس کے بہت سے ایسے اسباب ہیں، جن کی جڑیں ہندوستانی معاشرہ اور اس کی سیاسی تاریخ میں بہت گہری ہیں۔ ان میں اکثر وہ ہیں جو استعماری عفریت کی پیدا کردہ ہیں، جس کی وجہ سے مسلمانوں اور ہندوؤں میں برابر معرکہ آرائی ہوتی رہی، بلکہ زمانہ کے ساتھ ساتھ اس میں تیزی آتی گئی اور دلوں میں بغض و حسد، نفرت و کینہ کی بھی سلگتی رہی جس کی وجہ سے اختلافات کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی گئی۔ لہٰذا ایک جا رہنے کے باوجود بالآخر دونوں دھڑوں میں تقسیم ہو گئے اور نتیجتاً برصغیر دو حصوں میں منقسم ہوگیا۔ اور مستقل طور پر دو جمہوریتیں، پاکستان و ہندوستان کے نام سے قائم ہوگئیں اس سیاسی صورت حال نے دونوں کے دلوں میں تلخی و شکر رنجی پیدا کر دی اور آپس میں انس و یگانگت کے بجائے شک و ریب کی فضا قائم کر دی اور ہر ایک کو ایک دوسرے کے معتقدات، تہذیب و تمدن اور ثقافت سے بہت دور کر دیا اور گریز و نفرت کو ہوا دی۔ یہی وہ بنیادی مسئلہ ہے جس سے ہندوستانی مسلمان آج دوچار ہیں۔

اس کا شمار ان اولین اسباب میں ہوتا ہے جس کا براہ راست مسلمانوں کے خلاف ہر کارروائی میں اثر ظاہر ہوتا ہے۔ خواہ اس کا ظہور فرقہ وارانہ فسادات کی شکل میں ہو یا قتل و غارت گری کی صورت میں۔ خواہ مابین محاذ آرائی، جھڑپوں اور ٹکراؤ کی شکل میں ہو۔ اس ایک مسئلہ نے بہت سے مسائل پیدا کر دئے ہیں مثلاً سرکاری و نیم سرکاری کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیمی مشکلات کا پیش آنا، خصوصاً وہ سرکاری مواد ہیں جنہیں اکثر و بیشتر کتابوں اور تاریخی مواد میں اسلام اور اہل اسلام کے خلاف زہر افشانی کی جاتی ہے اور رسول اکرمؐ کی ذات والا صفات سے وہ اعمال و اخلاق اور واقعات منسوب کئے جاتے ہیں جو کسی شریف انسان کے شایان شان نہیں۔ چہ جائیکہ کسی رسول کی نسبت ایسی بات کہی جائے جس کی وجہ سے ہر مسلمان کا دل و دماغ مجروح ہوتا ہے، یہی

نہیں بلکہ ان کتابوں میں ہندوستان کے اسلامی شخصیات کا سرے سے تذکرہ ہی نہیں ہوتا خواہ وہ اللہ کے نیک بندے صلحاء و اولیاء ہوں یا عدل پرور باکمال سلاطین یا دور اندیش منتظمین اور نامی گرامی عبقری علماء یا اساتذہ فن شعراء اور ماہرین فن خطباء ہوں اور اگر کبھی کسی کا تذکرہ ہوتا بھی ہے تو تشنہ و نامکمل اور بسا اوقات ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کی جاتی ہیں جو ان کے مقام سے فروتر اور شان و مرتبہ سے گری ہوئی ہوتی ہیں۔

اردو مسلمانوں کی زبان ہے:

اسی طرح زبان کا بھی مسئلہ ہے۔ اردو زبان (جو مسلمانوں کی قومی زبان ہے) جو ہندوستانی باشندوں کے مختلف عناصر کے باہم اجتماع سے پیدا ہوئی ہے دراصل وہ مختلف علوم و فنون اور ثقافت کا خلاصہ اور چار قدیم زبانوں (سنسکرت، عربی، فارسی اور ترکی) کی پیداوار ہے اسی طرح موجودہ زمانے میں اس نے انگریزی زبان کے بہت سے ایسے مفردات کو بھی اپنے دامن میں سمیٹ لیا ہے جو زبان زد عوام و خواص ہیں۔ اسی طور پر وہ ہندوستانی قومیت کی بہترین ترجمان اور نمائندہ زبان ہے۔ عوام کے اظہار رائے کا ذریعہ ہے، نیز سیاست، صحافت اور بلند علوم و ثقافت کی بھی نقیب ہے۔ اسے ہندوستان کے مختلف صوبوں اور اس کے مختلف حصوں میں (جہاں کوئی خاص زبان بولی جاتی ہے) اظہار رائے کا ذریعہ اور رابطہ کی حیثیت حاصل ہے۔ یوپی، بہار، دہلی اور اس کے اطراف و اکناف نیز حیدرآباد دکن کے عوام اسی زبان میں گفتگو کرتے ہیں، یہی وہ واحد زبان ہے جو ہندوستان کے ہر حصہ میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اس زبان میں بہت سے رسالے اخبارات اور پرچے شائع ہوتے ہیں۔ پڑھنے والوں کی تعداد انگریزی کے مشہور اخبارات و مجلات کے پڑھنے والوں سے کسی طرح کم نہیں بلکہ زیادہ ہے۔

اس زبان کی طرف مسلمانوں نے اپنے برادران وطن غیر مسلموں سے کہیں زیادہ توجہ کی، اسی کو تقریر و تحریر کا ذریعہ بنایا کیونکہ مطلوبہ مقصد اس سے پورا ہو جاتا ہے اور مافی الضمیر کی ادائیگی ہندوستان کی دوسری زبانوں کے مقابلہ میں اس میں بہتر طور پر کی جا سکتی ہے۔ ہندوستان میں اس کے رواج پانے اور بول چال میں عام طور پر استعمال کرنے کی اصل وجہ یہی ہے۔

اسلامی علوم و فنون کی نقیب:

یہ زبان اسلامی علوم و فنون اور آداب سے مالامال اور اس کے مختلف گوشوں پر حاوی ہے اس سلسلے میں اسے فارسی زبان پر بھی سبقت حاصل ہے جسے طویل عرصہ تک ہندوستان کے اسلامی دور میں سرکاری سرپرستی حاصل رہی اور اسے پڑھنے سنوارنے کا خوب موقع ملا۔ جزیرہ نمائے ہند میں اردو زبان اسلامی علوم و ثقافت کی نقیب اور اظہار رائے کا ذریعہ ہے۔ برطانوی عہد میں اردو کو ثانوی زبان کی حیثیت حاصل تھی۔ عدلیہ، دفاتر اور مدارس میں اسی زبان کا چلن تھا تا آنکہ انگریزوں نے بعض سیاسی اغراض و مقاصد کے تحت ہندی زبان کی تشجیع کی، اور دونوں زبانوں میں معرکہ آرائی شروع کرا دی اور اسی طرح مسلم و غیر مسلم کی تفریق زبان کی حیثیت سے بھی ہو کر رہی اور دونوں جماعتوں میں بغض و کینہ اور نفرت کا تخم پرورش پانے لگا۔ ہندوستان تقسیم ہونے کے بعد اس کا مسئلہ اور سنگین ہوگیا۔

سوتیلا پن کا سلوک:

غیر مسلموں نے تقسیم ہند کے بعد اس کے ساتھ معاندانہ اور سوتیلا پن کا سلوک کیا اس کو ہر طرح اور ہر اعتبار سے نیچا دکھانے کی کوشش کی ـــ حساس و نشیط محکموں اور فعال و متحرک مرکزوں سے اسے نکال باہر کیا گیا کیونکہ ان کا گمان یہ تھا کہ عملی طور پر صرف مسلمانوں کی زبان ہے لیکن یہ زبان اپنی لطف و حلاوت شیرینی و صباحت، ذاتی قوت، عمدہ اسلوب اور سہل الحصول، سہل الاداء نیز حسن و جمال کے بدولت نہ صرف باقی رہی بلکہ حیرت انگیز طور پر ترقی

کرتی رہی جس کی مثال دنیا کے کسی اور زبان میں نہیں ملتی ہزاروں رکاوٹوں کے باوجود وہ تیز گام ہے اور آج اسے عالمی زبان کی حیثیت حاصل ہے۔

اقتصادی مسئلہ:

اسی کے ساتھ اقتصادی مسئلہ بھی ہے اشیائے خوردنی کی معیشت، مواقع خدمات سے محرومی ملازمتوں میں نابرابری، پولیس فوج اور دوسرے اہم اور بنیادی سروسوں میں انکے حق میں طوطا چشمی اور اس جیسی دوسری دشواریوں کا بھی سامنا ہے۔ حالانکہ مسلمان، اپنی ذاتی ذکاوت، ذہانت اور استعداد و صلاحیت میں دوسروں سے کسی طرح کم نہیں بلکہ ماضی کی طرح آج بھی اس میں آگے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی مشکلات و مسائل ہیں جن کا احصار مشکل ہے۔

ان مسائل و مشکلات کا واحد حل:

لیکن میرا خیال ہے کہ جذبات کے مقابلہ میں اگر عقل سے کام لیا جائے اور مسلمان پورے اخلاص کے ساتھ اسلامی دعوت کو لے کر عوام کی رہنمائی، نیک بختی، مخلوق کی خدمت، اور خیر خواہی کے جذبہ سے سرشار ہو کر اٹھ کھڑے ہوں اور بنی نوع انسان کے انجام پر ترس کھا کر دنیا اور آخرت میں انھیں تباہی سے بچانے کی فکر کریں اور وہ ایسی کتابیں اور پمفلٹ شائع کریں، جس میں علوم اسلامیہ کی تشریح دلنشیں انداز میں کی گئی ہو اور سیرت نبوی کے حسین بابوں کو ہندوستان کی علاقائی زبان اور خصوصاً ہندی زبان میں، حسین پیرایۂ بیان، خوشنما اسلوب اور ترقی یافتہ شکل میں پیش کرنے کی توفیق ہو جائے اور ہندوستانی معاشرہ میں وہ اپنی دعوت لے کر گھس جائیں، روحانی و اخلاقی تفوق اور ملک و قوم کے لئے وفاداری اس کی رفاہیت و ترقی میں اپنی کوشش اور برتری ثابت کر دیں تو ان مشکلات کو حل کیا جا سکتا ہے۔

پیام انسانیت کی تشکیل: انھیں سب باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے میں نے "پیام انسانیت" کی تشکیل کی، اور ہزار دشواریوں، رکاوٹوں، ماحول کی برہمی، زمانے کی کشمکش اور مصروفیات کی کثرت کے باوجود وسیع پیمانے پر دوروں کا اہتمام کیا، تاکہ سیدھے سادے اسلوب، ماہرانہ اور لطیف انداز میں ہندوؤں اور غیر مسلموں کو اسلام کے آفاقی تعلقات سے قریب کیا جائے، اور انسانی قدروں سے روشناس کرایا جائے۔ اس سلسلے میں مجھے ان کی رغبت و دلچسپی اور انسانی تعلیمات کی پیاس کا مشاہدہ ہوا اور ظاہر ہے یہ ساری چیزیں اسلام کے سوا اور کہاں مل سکتی ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ملک کے تمام باشندوں کی طرف سے اس دعوت کا خیر مقدم کیا گیا، اور اسے وہ قبولیت حاصل ہوئی، جس کی مجھے توقع نہیں تھی، اگر موقع محل اجازت دیتا تو اس مبارک تحریک کے چند تاثرات نمونہ کے طور پر پیش کرتا۔ مسلمانوں کو خصوصاً ہندوؤں سے متعارف کرانے کے لئے ایک کتاب بھی (ہندوستانی مسلمان کے نام سے) لکھی ہے جو مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ سے) تینوں زبانوں اردو، ہندی، انگریزی میں شائع ہو چکی ہے۔

سوال جابر رزق: دنیا کے مختلف حصوں میں مسلم اقلیات پر ہونے والے تشدد اور خونریزی کو کس طرح کم کیا جا سکتا ہے اور اس سلسلے میں عالم اسلام کا اپنے مظلوم بھائیوں کے حق میں کیا رول ہونا چاہیے؟!!

جواب: حضرت مولانا نے فرمایا کہ اس کے لئے ضروری ہے کہ مسلمانوں کے مختلف مذاہب، مکتب فکر، ان کی متعدد تحریکیں اور پارٹیاں، اسلام اور ایمان کے نام پر متحد ہو جائیں، اور عقیدہ و اصول اور مقصد کی بنیاد پر ایک دوسرے سے تعاون کریں یہاں تک کہ ان کا ایک ایسا مضبوط بلاک ہو جس سے مشرق و مغرب ہراساں اور دائیں و بائیں بازو کی طاقتیں ہر وقت ترساں ہوں، تمام حکومتیں اپنی فوجی استحکام کے باوجود خائف ہوں، تخریبی طاقتیں، دہشت پسند جماعتیں، تخلیل باز تحریکیں ان کی طرف نظر اٹھانے کی بھی جرأت نہ کر سکیں، خواہ وہ کینہ پرور مسیحیت ہو یا مکر و فریب کا پتلا اشتراکیت یا مسلمانوں کی ازلی صیہونیت یا اور کوئی بھی تحریک ہو۔ یہاں تک کہ عالم اسلام کا سیاسی، معنوی اور مادی ایک وزن ہو اور وہ ہر چیز میں خود کفیل

ہو وہ دینے کی پوزیشن میں ہو دوسروں کا دست نگر ہرگز نہ ہو۔

عالم اسلام کی پوزیشن اینٹ کا جواب پتھر سے: الغرض جب مصیبت زدہ، مظلوم، یا آبادی سے دور، مدد و نصرت سے مجبور، کوئی رنجور شخص "وا معتصماہ" کی صدا لگائے تو دنیائے اسلام پورے اعتماد کے ساتھ لبیک کہہ اٹھے اور اس کی مدد کو علی الفور پہونچ سکے اور ہر ظلم و زیادتی، بغاوت و سرکشی کی کلائی موڑ دے، اینٹ کا جواب پتھر سے دے تاکہ دوسروں کے لئے عبرت ہو اور کوئی شخص مسلمانوں کے خلاف کسی قسم کی کارروائی کی جرأت نہ کر سکے۔ اب عالم اسلام کی بات سنی اور مانی جائے گی اور دنیا کے نقشہ میں اس کا وزن ہوگا۔ ایک خود دار عربی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

ونُنكر إن شئنا على الناس قولهم
ولا ينكرون القول حين نقول

(ہم جب چاہتے ہیں لوگوں کی باتیں رد کر دیتے ہیں، لیکن ہماری باتیں رد نہیں کی جاتیں)

میں اس پوزیشن کو ان تمام شرانگیزیوں اور تباہیوں کے لئے جس سے اسلامی دنیا دوچار ہے ایک مضبوط بند اور کارگر حربہ تصور کرتا ہوں، اسی طرح اسلام کے مقدس مقامات، مقبوضہ عرب علاقوں کی بازیافت، ظالم سے ظلم کا بدلہ لینے، اپنی کھوئی ہوئی حیثیت کو واپس لانے اور ہر معرکہ میں غلبہ و کامیابی انشاء اللہ صرف اسی طریقہ سے حاصل ہو سکتی ہے اور میرا یقین ہے کہ اگر عالم اسلام میں کوئی خود دار، غیور، مخلص، باکمال، صاحب عزم و حزم اور حطین کے بطل جلیل سلطان صلاح الدین ایوبی کے سے صفات کا حامل شخص پیدا ہو جائے تو اس قسم کی وحدت کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے اور یہ امر کوئی مشکل نہیں۔

فی الحال مسلمانوں کو مختلف ذرائع اور اسلوب سے اپنے مسلم بھائیوں کو مادی اور معنوی تعاون پیش کرنا چاہیے کیونکہ مسلم اقلیت کو دنیا کے مختلف حصوں میں تبشیری حملوں اور دوسری بہت سی گمراہ کن تحریکوں کا سامنا ہے اور اکثر و بیشتر انھیں مادی تعاون (کپڑا، دوا اور غذا) کے جال میں پھانسا جاتا ہے، لیکن دنیائے اسلام کے مسلمانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔

سوال: دنیا کے مختلف حصوں میں اسلام کی پیش رفت کے سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے اور مسلم نوجوانوں کے حق میں آپ کی کیا نصیحت ہے؟

جواب: ہر وہ شخص جو روئے زمین پر اسلام کو غالب اور نمایاں حیثیت میں دیکھنا چاہتا ہے، وہ جب اسلام کو غالب انداز میں اپنا رول ادا کرتے ہوئے اور شیطانی قوتوں کو مغلوب و مقہور ہوتے ہوئے دیکھے تو لازمی طور پر اس سے اس کو خوشی ہوگی، اس کا دل مسرور اور آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔

اصحاب کہف کی زندگی مسلم نوجوانوں کے لئے اسوہ ہے: اور رہے وہ نوجوان جو اسلام و دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ ان سے میں یہ کہنا چاہوں گا کہ اللہ رب العزت نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جب مبعوث فرمایا تو آپ نے لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دی، لہٰذا سلیم الفطرت، پختہ عقل اور ایسے مضبوط دل لوگ آپ کے ارد گرد جمع ہو گئے جو اللہ عز و جل کے سوا کسی سے ڈرتے نہیں تھے۔ ان کی حالت اس سلسلہ میں اصحاب کہف سے زیادہ مشابہ تھی جو ظلم و زیادتی کے باوجود اللہ پر ایمان لائے تھے۔ اور اسی پر باقی رہے۔ قرآن کریم نے اس واقعہ کو یوں بیان فرمایا ہے "بیشک وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کی ہدایت میں مزید ترقی دی تھی، ان کے دلوں کو تقویت بخشی، جب وہ اٹھے تو انھوں نے کہا کہ ہمارا معبود تو آسمانوں اور زمینوں کا پالنہار ہے ہم اس کے علاوہ کسی اور کو معبود نہیں بنائیں گے، اگر ایسا ہوا (کسی اور کی پرستش کی) تو بڑی بیجا بات ہم نے کی۔ ہماری قوم نے خدا کو چھوڑ کر دوسرے معبود بنا رکھے ہیں۔ اگرچہ ان کے پاس اس پر کوئی واضح دلیل نہیں ہے تو کون اس شخص سے بڑا ظالم ہے جو اللہ پر بہتان باندھے"۔ یہ نوجوان ہر قسم کی ستم رانیوں کا نشانہ اور ظلم و زیادتی سے دوچار تھے اس سے پہلے ان سے کہا گیا تھا کہ "کیا لوگوں کا گمان ہے کہ وہ چھوڑ دیے جائیں گے ایمان لانے کے بعد ان کی آزمائش نہ ہوگی اور تحقیق ہم نے ان کے اگلوں کو آزمایا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کو

معلوم ہو جائے کہ کون (دعوے) جھوٹا اور کون سچا ہے"۔ تو یہ لوگ ہر مصیبت کے لئے سینہ سپر ہو گئے اور پہاڑوں کی طرح جم گئے اور انھوں نے یہ بات کہی کہ اس بات کا تو ہم سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا۔ زمانہ آج اسی ہیئت پر واپس آچکا ہے جس پر اس کی گردش بعثت کے وقت تھی، آج کی دنیا دوبارہ دوراہے پر آکھڑی ہوئی ہے۔ لہٰذا یا تو مسلم نوجوان اپنی توانائی، جان و مال کی قربانی، ناز و نعمت، آرام و راحت، خوشحالی اور آسودہ حالی کو داؤ پر لگا کر میدان میں اتر آئیں (خصوصاً عرب نوجوان کیونکہ انھیں رسول اکرم ﷺ کی امت ہونے کا شرف اور آپ کے خاندان و قبیلہ سے یک گونہ نسبت حاصل ہے) تاکہ دنیا ہلاکت سے بچ جائے اور اس کا قافلہ صحیح سمت میں رواں دواں ہو سکے اور پوری زمین کا نقشہ بدل جائے۔ یا پھر وہ حرص و طمع کے اسیر اور وظائف و مناصب کے حصول کی تگ و دو، اپنی آمدنی کو بڑھانے، تجارت میں نفع خوری، جائیداد میں پیداوار کی زیادتی اور ناز و نعمت اور راحت و سکون کے اسباب مہیا کرنے میں منہمک رہیں اور دنیا ہلاکت کی گود میں آخری لمحات بھی گذار کر معدوم ہو جائے۔

یقیناً دنیا سعادت سے ہمکنار نہیں ہو سکتی جب تک کہ مسلم نوجوان اپنی جرأت و جیالے تگ و دو، ضبط و تحمل اور عزم و حوصلہ سے کام لے کر مشکلات کی خلیج پر آہنی پل نہ تعمیر کر دیں۔ بیشک زمین کی روئیدگی کے لئے کھاد کی ضرورت ہوتی ہے اور انسانی زمین کی کھاد جس سے انسانیت کی زرعی اگتی اور کونپلیں نکلتی ہیں اور اسلام کی کھیتی ہری و شاداب ہوتی ہے، وہ خواہشات اور ذاتی مفاد کو اسلام کی سربلندی و سرخروئی کے لئے قربان کرنا ہے تاکہ دنیا میں امن و سلامتی عام ہو اور یہ صرف مسلم نوجوان ہی کر سکتے ہیں اور یقیناً یہ بہت گراں سودا ہے جس کی قیمت بہت کم ہے۔

سوال: کیا دنیا کی تمام اسلامی تحریکیں متحد ہو سکتی ہیں اور یہ کس طرح ممکن ہوگا؟

جواب: ہاں۔۔۔۔ ممکن ہے جب نیت درست ہو اور عمل اخلاص کے ساتھ خدا کے لئے ہو، اس کا واحد مقصد اعلاء کلمۃ اللہ اور اسلام کا غلبہ نیز ایمان و قرآن کی فرمانروائی ہو اور اسلامی مصالح کو دوسرے ہر قسم کے مصالح پر برتری اور ترجیح حاصل ہو، آپس میں عفو و درگذر کی روح کارفرما اور کشادہ ذہنی اور وسعت صدری، نشان امتیاز ہو۔ مقیاس و پیمانہ صرف اسلامی تعلیمات ہوں اور اس کا واحد مقصد خدائے وحدہٗ لاشریک کی رضا ہو۔

سوال: کیا اسلامی حکومتوں کے فرمانروا اور داعیان اسلام کے درمیان اختلاف کی خلیج کو کچھ کم کیا جا سکتا ہے یا دونوں کا باہم ملنا محال ہے اور باہمی آویزش ہی ان کے لئے مقدر ہے؟

جواب: یہ بہت مشکل ہے اس لئے کہ حکام میں اکثریت "الا ماشاء اللہ" ان لوگوں کی ہے جن کے ذہن و دماغ کی تعمیر اور فکر و نظر کی آبیاری مغربی تمدن اور استعماری طاقتوں کی دین ہے یا ان میں وہ ہیں جنھیں اسلام کے بارے میں بہت کم معلومات ہیں۔ لہٰذا انھیں اسلامی بیداری اور اپنے نظام اور عقل و دانش کے خلاف ہر وقت کسی انقلاب کا خطرہ محسوس ہوتا رہتا ہے اور یہ صورت حال صرف غلط فہمی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ ایسے وقت میں انتہائی سوجھ بوجھ اور اخلاص نیز مادی اغراض سے پاک و صاف اور قلب و ذہن کی یکسوئی عقل و عقیدہ میں دوررس تبدیلی کے ساتھ ہی کوئی کارروائی کرنی چاہیے جو اس منحوس صورت حال کو بدل دے۔ جس میں عالم اسلام بری طرح پھنس چکا ہے میں نے سب سے زیادہ مفید تجربہ جس نے تاریخ کے دھارے کو موڑ دیا اور اس کے رخ کو بدل دیا، اسے پایا ہے جس کو امام سرہندی مجدد الف ثانی (م ۹۷۱ ھ ۔ م ۱۰۳۴ھ) مغل شہنشاہیت کے عین شباب کے زمانہ میں لے کر اٹھے۔ اس کا تذکرہ میں نے اپنی کتاب "الدعوة الإسلامية في الهند وتطوراتها" میں تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ آپ اسے دیکھ سکتے ہیں۔

سوال: عالم اسلام میں جاری تحریکوں کے لئے آپ کا کیا پیغام ہے۔ خصوصاً پندرہویں صدی ہجری میں؟

جواب: میں صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ مغربی قیادت کے طفیل میں پوری دنیا ایسے آتش فشاں پہاڑ کے دہانے پر پہونچ چکی ہے جو جلد ہی پھٹنے والا ہے یا ایسے غار کے کنارے پر ہے جو بس گرنے ہی والا ہے اور مغرب جب تک اپنی پوزیشن میں رہے گا دنیا کی صلاح اور انسانیت کی بقاء و فلاح خطرے میں ہے کیونکہ وہی زندگی کا محافظ اور تمام براعظموں میں ارادے اور رہنمائی کا مرکز بنا ہوا ہے۔ چہ جائیکہ ملک و حکومت بلکہ عالم اسلام کے دور دراز علاقوں اور مشرق کے آخری حصوں تک میں۔ ہر قسم کے اضطرابات، انتشار، انارکی بغاوت اور انقلاب کا ذمہ دار وہی ہے، اس کے غلبہ کے برقرار رہتے ہوئے کوئی اصلاحی کوشش یا تحریک کامیاب اور بار آور نہیں ہو سکتی اور نہ ایسی حکومت قائم رہ سکتی ہے جو اس کے مفاد و مصالح سے متصادم اور اس کے ارادے کا پابند نہ ہو اور نہ اس کے ہوتے ہوئے کوئی صالح نظام پنپ سکتا ہے اور نہ ہی سعادت کی تمنا کی جا سکتی ہے۔ مگر اسی وقت جب مغرب کے مادی ڈکٹیٹر ہاتھوں سے قیادت (جو انسانیت کو سعادت سے ہمکنار کرنے پر قادر نہیں اور نہ ہی اس سلسلے میں اسے کوئی دلچسپی اور رغبت ہے) چھین کر اس کو سونپ دیا جائے جو دنیا اور بنی نوع انسان کی سعادت و بھلائی کے لئے نئی روح اور نئے منصوبے کا حامل ہو اور خدا کے روبرو اپنے آپ کو جواب دہ اور اپنے اعمال کا مکلف سمجھتا ہو، اور وہ وہی مسلمان ہے جس کا عالم تو منتظر ہے۔ شاعر اسلام ڈاکٹر محمد اقبال نے مسلمانوں کو یہی پیغام دے کر ابھارا ہے۔ وہ کہتے ہیں، "اے مرد مسلمان! تو نائب ازل کا امین دنیا پاسباں اور خدائے لم یزل کا رازداں ہے، تیرا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے۔ تیری اٹھان مٹی سے ہے لیکن تجھی سے اس عالم کا وجود و بقا متعلق ہے۔ پیمانۂ یقین سے پی اور ظن و تخمین کی پستیوں سے بلند ہو جا۔ فرنگ کی دلآویزی کی نہ داد ہے نہ فریاد! جس نے عقل و دل دونوں کو مسحور و مخمور اور ناکارہ بنا دیا ہے۔ فریاد ان بازیگروں سے جو کبھی ناز و انداز سے پکڑتے اور کبھی پیڑیوں میں جکڑتے ہیں، کبھی شیریں کا پارٹ ادا کرتے ہیں اور کبھی پرویز کا روپ بدلتے ہیں۔ دنیا ان کی تباہ کاریوں سے ویران ہو گئی ہے۔ اے بانیٔ حرم! اے معمار کعبہ! اے فرزند ابراہیم ایک بار پھر دنیا کی تعمیر کے لئے اٹھ اور اپنی گہری نیند سے بیدار ہو جا۔ ع

اے غنچۂ خوابیدہ چو نرگس نگراں خیز
کاشانۂ ما رفت بتاراج غماں خیز
از نالۂ مرغ چمن از بانگ اذاں خیز
از گرمیِ ہنگامۂ آتش نفساں خیز
از خواب گراں۔ خواب گراں۔ خواب گراں خیز
از خواب گراں خیز

حبیب احمد صدیقی

غزل

بے رسوخ و اثر نہیں ملتا
یہ نہ کہیے ثمر نہیں ملتا

دیکھیے جن کے ذہن شرر افشاں
ان کے دل میں شرر نہیں ملتا

یوں تو ہیں اہل علم و فضل بہت
کوئی صاحب نظر نہیں ملتا

زندگی میں رہا نہ زندہ دل
کوئی شوریدہ سر نہیں ملتا

دیدنی ہے یہ دل کی بے قدری
اب کوئی نقشہ گر نہیں ملتا

دو گھڑی جس سے دل کی بات کریں
ایسا بندۂ بشر نہیں ملتا

ایسے وابستہ اس کے در سے ہوئے
اب ہمیں اپنا گھر نہیں ملتا

رہنمائی کے دعویدار ہیں سب
کوئی بھی راہبر نہیں ملتا

جانیں کیا اس غریب پر گزری
خط تو خط نامہ بر نہیں ملتا

کہنے کو دیدہ ور ہزاروں ہیں
ڈھونڈے بھی دیدہ ور نہیں ملتا

کرنے پڑتے ہیں سو جتن احمد
یوں ہی تو سیم و زر نہیں ملتا

وعظ تو خیر وعظ ہے اب تو
شعر میں بھی اثر نہیں ملتا

ہماری تاریخ

اسلامی غیرت وحمیت کی ایک مثال

شمس الحق ندوی

سورج غروب ہوئے دیر ہو چکی تھی رات کی تاریکی نے دنیائے انسانیت کو اپنے سیاہ دامن میں چھپا لیا تھا۔ جب میں وادی میں داخل ہوا تو پوری فضا میں سناٹا ہی سناٹا چھایا ہوا تھا، بستی میں پہونچا تو بیواؤں، بوڑھی عورتوں اور مردوں کے رونے چلانے اور آہ و بکا کی پیہم آوازیں سنائی دینے لگیں، میں بھی غم میں ڈوب گیا اور طبیعت نے بے اختیار ایک گھر میں داخل ہونے پر مجبور کر دیا، وہاں جو کچھ میں نے دیکھا وہ دل کو بیقرار اور روح کو بے چین کر دینے کے لئے کافی تھا۔ ایک عورت جو سراپا ماتم بنی تھی رو رہی تھی اور رو کر کہہ رہی تھی، اے حَکَم تو ہماری بھی خبر لے، تو نے ہم سے یہاں تک بے توجہی برتی کہ دشمنوں نے ہمیں بیوہ اور ہمارے بچوں کو یتیم و بے یار و مددگار بنا دیا ہماری زندگی برباد ہو گئی۔ سورج کی ضیا بار شعاعیں بھی ہماری غم کی دنیا میں اجالا نہیں کر پاتیں، تم اپنوں سے اتنے بے خبر کیوں ہو ذرا ہماری دلسوز آہوں کو تو سنو عزتیں لٹ گئیں۔ بستی کے جوان شہید کر دئے گئے عورتوں کو بیوہ بچوں کو یتیم اور بوڑھوں کو بے سہارا بنا کر چھوڑ دیا گیا، اب ہم ہیں اور رنج و غم کا ایک اتھاہ سمندر، عورت کا چہرا اترا ہوا تھا اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے وہ مجھے دیکھتے ہی کھڑی ہو گئی میں نے اس سے پوچھا، تم پر کیا مصیبت آگئی؟ اس نوحہ و ماتم کا سبب کیا ہے؟ عورت نے میرے سوال کا جواب دیئے بغیر حسرت و یاس میں ڈوبی ہوئی آواز میں سوال کیا تم کون ہو؟ میں نے کہا تمہاری ہی طرح ایک عرب ہوں، عورت نے قدرے امید و اطمینان کے لہجے میں کہا خدا کا شکر ہے ایک عرب عورت اپنے بھائی عرب ہی سے شکایت کر رہی ہے یہ جواب دیتے ہوئے عورت گھر کے کسی گوشہ کی طرف چلی گئی ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا اور دودھ سے بھرا ہوا ایک پیالہ لے کر واپس ہوئی اور معذرت کرتے ہوئے کہا اے بھائی گھر خالی ہو چکا ہے۔ انگریز دشمنوں نے ہم پر حملہ کیا مال لوٹ لے گئے مردوں کو قید کیا جوان لڑکیوں کو اپنے ساتھ لے گئے، بوڑھوں اور بچوں کو بے سہارا چھوڑ گئے، میں اپنے ایک کام سے سرقسطہ گئی ہوئی تھی واپس ہوئی تو گھر خالی پایا سوائے بوڑھی عورتوں، بچوں اور ضعیفوں کے کوئی نہیں عمر کا باقی حصہ رونے اور نوحہ کرنے میں گذار رہی ہوں عورت کی بات میرے دل پر بجلی بن کر گری میں نے اپنے پر قابو پاتے ہوئے کہا، بہن روؤ نہیں جلد ہی خلیفۃ المسلمین تمہاری مدد کے لئے اپنا لشکر بھیجیں گے۔

رات کسی طرح گذری صبح ہوتے ہی میں گھوڑے پر سوار ہوا اور قرطبہ کی طرف روانہ ہو گیا، قرطبہ پہونچتے ہی گھر گیا، اپنے کپڑے وغیرہ ٹھیک کئے اور فوراً خلیفۃ المسلمین حکم کی خدمت میں حاضر ہوا جو کچھ دیکھا تھا وہ حکم کو سنایا اور کہا ایک عورت تمہارا نام لے کر پناہ مانگ رہی تھی اور تم سے مدد چاہ رہی تھی خلیفہ کے چہرے پر فکر کے آثار ظاہر ہوئے اور واقعہ کی تفصیل چاہتے ہوئے انھوں نے کہا خدا کی قسم میں اس کی مدد اور فریاد رسی میں کوئی کسر نہ چھوڑوں گا تا آنکہ اسکی آنکھیں ٹھنڈی ہوں فوج کے ذمہ داروں کو بلا بھیجا۔ سپاہیوں کو تیاری کا بگل بجا دیا گیا، خلیفہ نے افسوس بھرے لہجے میں کہا ہم عیش و طرب کی زندگی گذار رہے ہیں اور ملک میں ایسی بیوائیں اور بوڑھی عورتیں ہیں جن کی زندگی رنج و غم میں ڈوبی ہوئی ہے، اس نے فوجوں کو کوچ کا حکم دے دیا۔ یہ سپاہی بھی اسلامی غیرت و حمیت کا پتلا تھے۔ انھوں نے انگریزوں کی اس بے جا حرکت کا اچھا جواب دیا۔ آن کی آن میں انھیں شکست دے کر مسلمان قیدیوں کو آزاد کرایا اور کھوئے ہوئے مال و متاع کو واپس لے لیا۔

ہم ذرا تامل سے کام لیں اور دیکھیں تو آج بھی ان انگریزوں نے ذہنی، فکری اور ثقافتی طور پر ہمارے بے شمار مردوں، عورتوں، جوانوں اور بوڑھوں کو نہ صرف ہم سے چھین لیا ہے بلکہ ان کا کام اب بھی جاری ہے لیکن کوئی حکم نہیں جو اس ہاری ہوئی جنگ کو پھر سے جیتنے کی جرأت کرے اور ان اجڑے ہوؤں کو پھر سے بسائے بلکہ وہ الٹا اسی میں شامل ہو جاتا ہے اسی رو میں بہنے لگتا ہے لیکن بات اب صرف انگریزوں کی نہیں رہی انھوں نے ہر جگہ اپنے وکیل پیدا کر دیے ہیں کتنے خاندان ہیں جو الحاد و بربریت کی نذر ہو چکے ہیں کتنی شریف عصمت مآب مائیں، بہنیں، بیٹیاں اور بیویاں ہیں جو فحش لٹریچر، عریاں تصویروں اور ناولوں، گندے افسانوں اور سینما کی نذر ہوتی جا رہی ہیں کتنی معصوم روحیں اسی سیلاب بلاخیز کی زد میں ہیں۔ ان باطل کے داعیوں نے کتنی حرم سراؤں کے پردے الٹ دئے کتنی سادہ دل اور پاک طینت و باعصمت لڑکیوں سے حیا و شرم کی چادریں اتاریں دلوں میں اسلامی احکام و شعائر کی نفرت بٹھادی، فواحش و منکرات کو دلوں میں اتار دیا جوانوں کے ذہن و فکر کو بدل دیا ستم بالائے ستم یہ کہ جنگ اب بھی جاری ہے اس لوٹ مار میں کمی تو کیا بلکہ روز بروز زیادتی ہے نہ جانے کتنی بھٹکی ہوئی روحیں فریاد کناں ہیں کتنی کراہتی اور سسکتی ہوئی روحیں ہیں جو کسی معتصم کو آواز دے رہی ہیں لیکن کون ہے جو اس کا جواب دے، باپوں کے دلوں سے اولاد کی محبت غائب ہو چکی ان کو بچوں کے آرام و آسائش کا پورا خیال ہے مگر ان کی تعلیم و تربیت کی طرف کوئی توجہ نہیں۔ یہ تک بتانے کی زحمت نہیں کرتے کہ اسکولوں اور کالجوں میں جو کچھ ان کو دیا جا رہا ہے وہ زہر ہے یا قند۔ شادیوں اور ولیموں میں تو ہزاروں بلکہ لاکھوں روپئے تو خرچ کئے جا سکتے ہیں مگر اس ہاری ہوئی جنگ کے لئے اگر کوئی قدم اٹھانا ہو اور کوئی رقم درکار ہو تو یہ ان کے لئے موت سے کم نہیں آخر اس سوئی ہوئی قوم کی تاریک رات کب روشن ہوگی، ان کی اکھڑی ہوئی طنابیں کب لگیں گی، ان کے گرے ہوئے خیمے کب نصب کئے جائیں گے، اس کی کھوئی ہوئی طاقت کب واپس آئے گی، اس کی تہذیب و ثقافت کے مرجھائے، کھلائے ہوئے چمنستان میں کب بہار آئے گی اور اپنی اندرونی خانہ جنگی و اختلافات باہمی سے کب فرصت ملے گی۔

عرشی زادہ

دُعَا

اے خدا ——— اے خدا

اے خدا صبر دے ناکردہ گناہوں کے لئے
دور جمہور کو راس آئے نہ وہ رنگِ جنون
مقتل جور و جفا اب نہ کہیں ہو برپا
منزلیں اب نہ کبھی امن و اماں کو ترسیں
یہ زمیں، پیاری زمیں اب نہ کبھی تنگ ہو یوں
گشت شہروں کے گلی کوچوں میں کرتے رہنا
الفتیں ایسی ہوں باہم کہ نہ ہوں وقف کبھی
اب نہ آئیں سحر و شام لہو میں ڈوبے
جس کو دھندلا نہ سکے رنج و کدورت کا غبار

جھوٹ کا جبر نہ ہو سچ میں گواہوں کے لئے
باعث ننگ تھا ماضی میں جو شاہوں کے لئے
مائیں مجبور نہ ہوں پھر سے کراہوں کے لئے
لوگ حیران و پریشاں نہ ہوں راہوں کے لئے
آسماں کو جو تکے خلق پناہوں کے لئے
اب کبھی فرض نہ ہو اپنی سپاہوں کے لئے
آنکھیں اشکوں کے لئے اور لب آہوں کے لئے
یہ مناظر تو قیامت تھے نگاہوں کے لئے
بخش دے نور وہ اجڑی ہوئی راہوں کے لئے

اے خدا ——— اے خدا

مولوی عتیق احمد بستوی

تاریخ تُرکی کے گمشُدہ اوراق

دو شخصیت ——— دو کردار

(زیر نظر مضمون میں تاریخ ترکی سے متعلق دو دستاویزیں شائع کی جا رہی ہیں۔ یہ دستاویزیں اردو زبان میں پہلی بار شائع ہو رہی ہیں۔ ہمیں پوری امید و یقین ہے کہ ان دستاویزوں کے ذریعہ تاریخ ترکی اور تاریخ اسلام کے طلباء کے سامنے بحث و تحقیق کے نئے دروازے کھلیں گے اور صحیح زاویہ نظر سے تاریخ ترکی کا مطالعہ کرنے میں مدد ملے گی۔)

سلطان عبدالحمید ثانی کا ایک تاریخی خط

قارئین کے لئے یہ انکشاف غالباً حیرت انگیز ہوگا کہ سلطان عبدالحمید ثانی (۱۸۷۶ء تا ۱۹۰۹ء) اپنے تمام جاہ و جلال کے باوجود اس دور کے ایک بوریہ نشین، صاحب نسبت بزرگ سے بیعت تھا اور اوراد و وظائف کا بڑا پابند تھا۔ سلطان کے شیخ طریقت محمود ابوالشامات تھے موصوف سلسلۂ شاذلیہ کے بڑے شیخ تھے، دمشق میں مقیم تھے۔ سلطان نے معزول ہونے کے بعد اپنے شیخ طریقت کو تفصیلی خط لکھا اور اس میں اپنے معزول کیے جانے کا راز اور پس منظر بیان کیا۔ شیخ نے اتحادیوں کے دور میں خفیہ راز کی طرح اس خط کو محفوظ رکھا۔ جب شام سے ترکوں کی حکومت ختم ہوئی تو شیخ کے بعض مخلصین کو اس کا علم ہوا۔ شیخ کی وفات کے بعد انکے صاحبزادوں نے اس خط کی حفاظت کی۔ بہت قابل اعتماد اور مخلص متعلقین کو اس کی زیارت کرائے۔ عرصہ دراز گزرنے کے بعد خط بہت بوسیدہ ہو گیا تو اس کی زیارت کرانی بند کر دی۔ پروفیسر سعید افغانی دمشقی نے بڑی کوششوں اور سفارشوں کے بعد شیخ کے صاحبزدگان کو اس خط کی اشاعت پر راضی کیا۔ ۱۹۷۲ء میں پروفیسر سعید افغانی نے اس خط کی فوٹو اسٹیٹ کاپی کرائی اور اصل خط شیخ کے صاحبزادوں کو واپس کر دیا۔ اس خط کے عربی ترجمہ کا کام پروفیسر سعید افغانی نے اپنے ایک ایسے دوست سے لیا جنھیں عربی ترکی دونوں زبانوں پر یکساں عبور حاصل تھا۔ اس خط کو موصوف نے کویت کے رسالہ "العربی" کی اشاعت شوال ۱۳۹۲ھ دسمبر ۱۹۷۲ء میں شائع کرایا۔ خط کا بعینہٖ ترجمہ پیش خدمت ہے۔

یا ھو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وبہ نستعین۔

اس خدا کی حمد جو تمام جہاں کا پالن ہار ہے اور افضل ترین درود اکمل ترین سلام نازل ہو ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو خدا کے رسول ہیں، اور آپ کے تمام آل و اصحاب اور متبعین پر قیامت تک درود و سلام نازل ہو۔

میں اپنا یہ عریضہ سلسلۂ عالیہ شاذلیہ کے شیخ، روح و حیات کے فیضان رساں شیخ وقت محمود آفندی ابوالشامات کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اور دعوات صالحہ کا امیدوار ہو کر ان کے مبارک ہاتھوں کا بوسہ لیتا ہوں۔

آداب و احترام کے بعد عرض کرتا ہوں کہ آپ کا سال رواں کے ۲۲ مئی کا تحریر کردہ گرامی نامہ موصول ہوا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ جناب والا برابر صحت و سلامتی کے ساتھ ہیں۔ میرے آقا میں توفیق خداوندی سے سلسلۂ شاذلیہ کے اوراد و وظائف پابندی کے ساتھ پڑھ رہا ہوں اور عرض گذار ہوں کہ دائمی طور پر آپ کی دلی دعاؤں کا محتاج ہوں۔

اس تمہید کے بعد میں آپ کی خدمت میں اور آپ جیسے دوسرے ارباب عقل کی خدمت میں ایک اہم مسئلہ پیش کرتا ہوں تاکہ یہ امانت تاریخ کی حفاظت میں آجائے۔ میں خلافت اسلامیہ سے صرف اس لئے الگ ہوا ہوں کہ مجھے انجمن اتحاد و ترقی (جو جون ترک کے نام سے مشہور ہے) کی طرف سے بہت تنگ کیا گیا۔ دھمکیاں دی گئیں اور خلافت ترک کرنے پر بالکل مجبور کر دیا گیا، سبب یہ ہوا کہ ان اتحادیوں نے مجھ سے بار بار اصرار کیا کہ سرزمین مقدس فلسطین میں یہود کے قومی وطن کی تاسیس پر اتفاق کر لوں۔ ان کے پیہم اصرار کے باوجود میں یہ بوجھ اٹھانے پر راضی نہ ہوا۔ آخر میں ان لوگوں نے پندرہ کروڑ (۱۵۰۰۰۰۰۰۰) برطانوی لیرہ سونا دینے کا وعدہ کیا۔ میں نے قطعی طور پر اس تجویز کو ٹھکرا دیا اور انھیں یہ دو ٹوک جواب دیا "اگر تم لوگ پندرہ کروڑ لیرہ سونا کے بجائے دنیا بھر کا سونا دو تب بھی میں اس بوجھ کو نہیں اٹھاؤں گا۔ میں نے ملت اسلامیہ امت محمدیہ کی تیس سال سے زیادہ خدمت کی۔ اب میں اپنے آباء و اجداد خلفاء و سلاطین کی تاریخ کو سیاہ نہیں کروں گا۔ میں یہ بوجھ قطعی طور پر نہیں اٹھا سکتا"۔

قطعی جواب کے بعد ان لوگوں نے مجھے معزول کرنے پر اتفاق کر لیا اور یہ پیغام پہنچایا کہ وہ مجھے شہر بدر کر کے سلانیکا بھیج دیں گے۔ میں نے یہ تکلیف گوارا کر لی۔

اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں کہ میں نے ارض مقدس فلسطین میں یہودی حکومت کے قیام کو تسلیم کر کے دولت عثمانیہ اور عالم اسلام کو اس عیب و عار سے داغدار کرنا قبول نہیں کیا۔ میرے بعد جو ہوا سو ہوا۔ اس پر میں بار بار اللہ جل شانہ کی حمد و ثنا کرتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ میں نے جو باتیں پیش کر دیں وہ اس موضوع کے بارے میں کافی ہیں۔ اب اپنے اس اہم خط کو ختم کرتا ہوں۔ آپ کے مبارک ہاتھوں کو چومتا ہوں اور امیدوار ہوں کہ آداب قبول فرمائیں گے۔ تمام بھائیوں اور دوستوں کو سلام۔

میرے بزرگ استاد خط طویل ہو گیا لیکن آپ کو اور آپ کی جماعت کو مطلع کرنے کے لئے میں اس تطویل پر مجبور رہا۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

۲۲ ستمبر ۱۳۲۹ھ

خادم المسلمین

عبدالحمید بن عبدالمجید

(ماہنامہ العربی دسمبر ۱۹۷۲ء، حاشیہ ذکریات الیسای صفحہ ۳۵ تا صفحہ ۳۸)

مصطفیٰ کمال پاشا بستر مرگ پر

مصر کے مشہور اخبار "الاہرام" نے ۱۷ ذوالقعدہ ۱۳۸۴ھ مطابق ۱۵ فروری ۱۹۶۵ء کی اشاعت میں اخبار "سنڈے ٹائمز" سے ایک اہم تاریخی دستاویز اس عنوان کے تحت نقل کی ہے۔ "کمال اتاترک کی طرف سے سفیر برطانیہ کے سامنے جمہوریہ ترکی کا صدر بننے کی پیشکش"، وہ دستاویز یہاں نقل کی جاتی ہے۔

سنڈے ٹائمز نے سیاسی تاریخ کے پُراسرار صفحات میں سے ایک حیرت انگیز صفحہ اس عنوان سے نشر کیا ہے "ہمارے آدمی نے کس طرح ترکی کا حاکم بننا قبول نہیں کیا"۔

اخبار لکھتا ہے کہ نومبر ۱۹۳۸ء میں کمال اتاترک بستر مرگ پر تھا۔ پندرہ سال سے مطلق العنان ڈکیٹری کے ذریعہ اس بات کے لئے کوشاں تھا کہ ترکی کو اہل ترکی کی مرضی کے خلاف چلائے اور اسے بیسویں صدی کے معاشرہ میں لے آئے چنانچہ اس نے ترکی ٹوپی اور پردہ کا استعمال ممنوع قرار دیا، دینی تسلط ختم کیا اور ترکی زبان کے لئے لاطینی حروف کو رواج دیا۔

بستر مرگ پر اسے خوف محسوس ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اسے صحیح جانشین نہ مل سکے جو اس کے شروع کئے ہوئے کام کو جاری رکھے چنانچہ اس نے برطانوی سفیر پرسی لورین کو استنبول کے صدارتی محل میں بلایا۔ وہاں ان دونوں میں جو بات چیت ہوئی وہ ۳۰ سال سے زیادہ راز رہی آج پیرز دکسون اپنے والد سر پرسن دکسون کی داستان حیات کے ضمن میں اس راز کو فاش کرتے ہیں۔

دکسون کے کاغذات میں ایک تار پایا گیا جو پرسی لورین نے وزیر خارجہ لارڈ ہالیفاکس کے پاس بھیجا تھا۔ غالباً یہ تار برطانیہ کی موجودہ تاریخ میں سب سے زیادہ حیرت انگیز تاریخی دستاویز ہے۔ اس تار میں لورین نے قریب المرگ ڈکٹیٹر کے ساتھ اپنی ملاقات کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ "جب میں وہاں پہنچا تو میں نے انھیں بستر پر تکیوں سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھا ہوا پایا۔ ایک ڈاکٹر اور دو نرسیں انھیں گھیرے ہوئے تھیں۔ میرے داخل ہوتے ہی انھوں نے ڈاکٹر اور نرسوں کو یہ کہتے ہوئے واپس بھیج دیا کہ جب ان کی ضرورت ہوگی گھنٹی بجا دی جائے گی۔ اس وقت جناب صدر نے آہستہ آہستہ مگر بڑی شفقت سے بات شروع کی اور مجھ سے فرمایا، آپ کو مدعو کرنے کا مقصد آپ کے سامنے فوری طور پر ایک درخواست پیش کرنا ہے اس امید کے ساتھ کہ آپ مجھے

ں کا قطعی جواب دیں گے۔

ان کو دوسروں کی بہ نسبت میری دوستی اور خیر خواہی پر پورا اعتماد تھا کیونکہ یہ دوستی غیر متزلزل اور پائدار تھی۔ اسی بنا پر وہ مختلف مواقع پر مجھ سے پوری آزادی کے ساتھ مشورہ کیا کرتے تھے گویا کہ میں ترکی کابینہ کا ایک وزیر ہوں۔

صدر جمہوریہ ہونے کی حیثیت سے انھیں وفات سے قبل اپنا جانشین منتخب کرنے کا اختیار تھا، ان کی مخلصانہ خواہش تھی کہ منصب صدارت پر میں ان کی جانشینی کروں، وہ اس تجویز پر میرا ردعمل معلوم کرنا چاہتے تھے۔ چند منٹ خاموشی کے ساتھ سوچنے کے بعد میں نے جناب صدر سے عرض کیا کہ میں اپنے جذبات و احساسات کو کما حقہ ظاہر کرنے کے لئے الفاظ نہیں پا رہا ہوں۔ اس وقت میرے حواس اس شدت کے ساتھ جھنجھوڑ دیئے گئے کہ زندگی میں اس سے قبل اس طرح جھنجھوڑا جانا یاد نہیں۔

جانشینی کی تجویز پیش کر کے جناب والا نے میری اور بادشاہ معظم کی حکومت کی خارجہ پالیسی کی تعریف کا ایک انوکھا طریقہ ایجاد کیا ہے لیکن اگر میں اپنی بہترین صلاحیتیں انتظامی کاموں پر مرکوز کر دوں تو بھی مجھے اپنی کامیابی پورے طور پر مشکوک نظر آتی ہے۔ جمہوریہ ترکی کے صدر کی ذمہ داریاں برطانوی سفیر کی ذمہ داریوں سے بالکل مختلف ہیں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ میری صلاحیتیں اور تجربات برطانوی سفیر ہونے کے زیادہ لائق ہیں۔ اس بنیاد پر میرے لئے افسوس اور احتیاط کے ساتھ معذرت کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔

جب میں نے گفتگو ختم کی، صدر جمہوریہ ترکی پر شدید تاثر کی علامات ظاہر ہوئیں اور اپنی پشت کو تکیوں پر ٹیک لیا۔ نرسوں کو بلانے کے لئے گھنٹی بجائی۔ نرسوں نے انھیں دوا کھلائی جب وہ از سر نو گفتگو کرنے کے قابل ہوئے تو انھوں نے فرمایا، میں ان اسباب سے بخوبی واقف ہوں جن کی وجہ سے آپ نے یہ فیصلہ کیا ہے۔ اس کے بعد گفتگو جاری رکھتے ہوئے انھوں نے حسب عادت نرمی سے کہا: اگرچہ اس جواب سے میری امیدوں کو سخت ناکامی کا سامنا کرنا پڑا لیکن آپ کی طرف سے اسی جواب کی توقع تھی آپ کے بدلے عصمت اینونو کو صدر نامزد کرتا ہوں۔

اتاترک سہارے سے بیٹھ گئے اور میرا ہاتھ تھام کر ترکی برطانیہ دوستی اور تعلقات استوار رکھنے کے سلسلے میں میری کوششوں کا شکریہ ادا کیا۔ پھر وہ دوسری بار بے ہوش ہو کر تکیوں کے درمیان لیٹ گئے۔ اس وقت مجھے خیال آیا کہ یہاں سے چلا جانا بہتر ہے۔

بیرس لورین نے وزیر خارجہ کے نام اپنا تار اس جملہ پر ختم کیا ہے،" اگر جناب والا نے میرے اس موقف سے متفق ہونے کے بارے میں ایک خط میرے پاس روانہ کر دیا تو میں آپ کا بہت شکر گذار ہوں گا۔ مجھے امید ہے کہ آپ یہ خبر بادشاہ معظم تک پہنچا دیں گے"۔

(الرجل الصنم ص۱۱ تا ص۱۵)

محمد حسن خاں عرشی کی وفات

محمد حسن خاں عرشی سابق ناظر معہد دار العلوم کا ۵ر فروری کی صبح کو ۷ بجے انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

عرشی صاحب کا معہد دار العلوم سے ایک عرصہ تک تعلق رہا اور آپ نے دار العلوم کے اس حصہ کی جدید تنظیم میں اہم کردار ادا کیا اور اپنے فرائض منصبی کمسن وخوبی ۱۹۷۶ء تک انجام دیتے رہے آپ طلبہ کے ساتھ بہت شفقت فرماتے تھے اور ان میں اردو ذوق اور ان کے ذہن کو صحیح فکر کے ساتھ تربیت دیتے تھے۔

عرشی صاحب ریٹائر ہونے سے قبل امیر الدولہ اسلامیہ انٹر کالج میں اردو کے استاد تھے، آپنے وہاں کے طلبہ کو اردو سے قریب کیا اور ان میں اردو کا ذوق پیدا کیا جس کے نتیجے میں ان کے بہت سے شاگردوں کو اعلیٰ مقام کے ساتھ اردو میں بھی اہم مقام حاصل ہوا۔

عرشی صاحب کی بینائی آخر عمر میں بہت کمزور ہو گئی تھی اور آمد و رفت میں بڑی دقت محسوس کرتے تھے مگر اس معذوری کے باوجود وقتاً فوقتاً ندوہ حاضر ہو جایا کرتے تھے اور اپنے عزیز طلبہ اور اپنے دور کے اسٹاف اور اہل تعلق سے ملتے جلتے تھے نیز آپ نے جس پودے کی آبیاری کی تھی وہاں بھی تشریف لے جاتے تھے اور بعض اوقات اپنے مفید مشورہ سے بھی وہاں کے ذمہ داروں کو نوازتے تھے۔

محمد حسن خاں صاحب شاعر بھی تھے اور عرشی ان کا تخلص تھا مشاعروں میں بھی شریک ہوتے تھے آپ نے طلبہ کے لئے اردو گرامر کی دو کتابیں بھی تحریر فرمائی، ایک کا نام "سراج القواعد" اور دوسرے کا نام "معراج القواعد" ہے، نیز آپ نے ایک کتاب خط شکست پر بھی لکھی ہے۔

ہم قارئین تعمیر حیات نیز ان کے شاگردوں کی تعداد جو کم نہیں ہے درخواست ہے کہ مرحوم کے لئے ایصال ثواب کریں اور ان کے لئے دعا مغفرت کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کے پس ماندگان کو جنمیں دو لڑکے اور آٹھ لڑکیاں ہیں صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

مولانا ابو الحسن علی ندوی کی واپسی

۶ر مارچ کو حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی اور مولانا محمد ثانی ایڈیٹر ماہنامہ "رضوان" بیرونی سفر سے واپس آگئے۔

مولانا ۲ر فروری ۱۹۸۱ء کو سعودی عرب رابطہ عالم اسلامی کے رسالۃ المساجد اور دیگر اہم جلسوں میں شرکت کی غرض سے گئے تھے۔ آپ اس سفر میں ریاض بھی گئے اور حرمین شریفین کی بھی زیارت کی۔

ملک کی اخلاقی قیادت

مسلمانانِ ہند کی ذمہ داری ہے

یہ ہمارا اپنا ملک ہے اس کی تباہی ہماری اپنی تباہی ہے اس کی بستیوں میں رہنے والے پڑوسیوں کا آپس میں لڑنا اور ایک کا دوسرے پر حملہ آور ہونا یا ایک کی دوسرے پر بد اعتمادی ہم سب کے لئے تکلیف دہ ہے۔ اور اسی وجہ سے ہم یہ سوچتے ہیں کہ اگر حکومت اور اکثریت باہمی اعتماد کو بحال کرنے اور یکجہتی پیدا کرنے میں ناکام رہی ہیں تو ہمیں اپنا فرض ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیئے بلکہ کچھ زیادہ شدت سے ہی اس کا احساس کرنا چاہیئے اپنی پچھلی تاریخ میں صدیوں تک مسلمانوں نے تعلیم، قانون، قیام امن و امان۔ عوامی خدمت، انسانی محبت و شفقت، مساوات، ملکی وحدت، معاشرتی اصلاح، فن تعمیر، یکجہتی اور دوسرے میدانوں میں ایک ممتاز رول ادا کیا ہے اور اب پھر انہیں دوسروں کی طرف نظریں جمانے کے بجائے خود ہی آگے بڑھ کر اپنا رول ادا کرنا ہے۔ اس اجتماع میں علی گڈھ، سنبھل۔ بہارن پور۔ بنارس، پنت نگر، کانپور، پرنام بٹ، دہلی، حیدر آباد، اڈونی اور دوسرے متعدد فرقہ وارانہ حادثات پر بھی تفصیلی طور پر غور کیا گیا اور یہ اجتماع اس نتیجہ پر پہونچا کہ ان میں ہر جگہ انتظامیہ حالات کو سدھارنے میں ناکام ثابت ہوئی ہے۔ نیز پولیس اور خاص طور سے پی۔ اے۔ سی کا رول بہت شرمناک رہا ہے۔

عوام کی جان و مال کی حفاظت حکومت کا فرض ہے۔ اسی طرح حفاظت خود اختیاری عوام کا قانونی حق ہے۔ اگر کوئی حکومت اپنا فرض ادا نہ کر سکے تو اسے حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

(مسلم مجلس مشاورت کی قرار داد سے)

تحریکِ پیام انسانیت

(نیر ربانی ایم۔ اے بنگلور)

گذشتہ دسمبر میں جب مولانا ابو الحسن علی ندوی جنوبی ہند کے سفر کے دوران مدراس پہونچے تو یہ نظم پیام انسانیت کے جلسہ میں تحریک پیام انسانیت پر پیش کی گئی۔ اس کے لئے ہم نیر ربانی صاحب کے شکر گذار ہیں۔

پیام انسانیت کی تحریک دیدہ و دل کی روشنی ہے
ہے صلح کل اس کا نیک مقصد یہ داعیٔ امن و آشتی ہے
یہ ابر ہے جس طرف بھی برسے گا ہر زمیں سبزہ زار ہوگی
یہ نور جس جس افق پہ پھیلے گا ہر فضا جلوہ بار ہوگی
یہ شمع جس گھر میں ہوگی روشن چھٹے گی ظلمت کدورتوں کی
یہ پھول جس جس چمن میں مہکے گا تو بڑھے گی مسرتوں کی
یہ ایسی تحریک جس سے فرقوں کا ہر اندھیرا بھی دور ہوگا
لئے تب و تاب نو نئے آدمی کا ہر سو ظہور ہوگا
یہ ایسی تحریک جس سے ذہنوں کے زاویے سارے ایک ہونگے
کہ اس میں شامل جو ہوں گے دل سے وہ کوئی ہوں پاک و نیک ہونگے
یہ ایسی تحریک جس سے پھر رنگ و خوں کی تفریق مٹ سکے گی
تمام آئیں گے ایک مرکز پہ دل کو آسودگی ملے گی
یہ ایسی تحریک پھر سے انسانیت کے پیغام عام ہوں گے
کہ شہر تو شہر کیا ہے سارے دیار دار السلام ہوں گے
یہ ایسی تحریک جس سے انساں میں درد انسانیت کا ہوگا
ضمیر روشن، شعور پاکیزہ، مرتبہ قومیت کا ہوگا
یہ قوم و ملت پہ ایک احساں ہے آج حضرت علی میاں کا
قدم قدم پر ہے آج نیّر فروغ اس مہر ضو فشاں کا

بقیہ ص۳: اداریہ

اور دوسرے صنعتی ممالک سے ضروریات اور اسباب خریدنے میں صرف کرتے ہیں اس کو بچالیں گے اور وہی سرمایہ ملک کو مضبوط کرنے میں صرف ہوگا اس سے افراد بھی تیار ہو جائیں گے اور ملک کا سرمایہ بھی بیرون ملک جانے سے بچ جائے گا۔ البتہ اس کے لئے ان ممالک کو باہمی تعاون و اشتراک کا دائرہ وسیع کرنا ہوگا اور انداز فکر و عمل تعمیری کرنا ہوگا تب ہی اس سے مثبت نتائج نکلیں گے اور اب تک بیرونی دنیا جو ان کو کوئی اہمیت نہیں دے رہی ہے وہ ان کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوگی اور ان کو وہ مقام دینا پڑے گا جس کے وہ اہل ہیں اور ان ملکوں کو بھی اپنے حساس علاقہ میں کردار ادا کرنے میں سہولت ہوگی اور جو استحکام و قوت خود ان ممالک کے مضبوطی اور استحکام سے ہوگی وہی پائیدار اور قابل قبول ہوگی۔

ہماری دعا ہے کہ موجودہ تعاون و اشتراک کامیاب ہو، اس میں امن عالم، عالم اسلامی کا استحکام اور مسلمانوں کی مشکلات کا حل ہے۔

(م۔ ح)

ہے اور یہ بات متعین ہو جاتی ہے کہ اب (پندرھویں صدی ہجری) امت مسلمہ کو عالمی پیمانہ پر اپنے عزت و سر بلندی کے ساتھ جینے اور اپنے وجود کی بقا و سر فرازی کے لئے از سر نو جد و جہد کرنا ہوگی اور اپنے طرز فکر کی تجدید کرنا ہوگی جب باطل طاقتیں اتنی بے دردی کے ساتھ اپنے وسیع پیمانہ پر امت مسلمہ کو غارت کرنے پر تلی ہوئی ہیں تو کیا آیت "واعدوا لہم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم و آخرین من دونھم لا تعلمونھم اللہ یعلمھم وما تنفقوا من شیٔ فی سبیل اللہ یوف الیکم وانتم لا تظلمون" کی روشنی میں ہر میدان میں خود کفیل ہونے کی ضرورت ہے۔

افغانستان میں روسی جارحیت کا ایک سال

شمس تبریز خاں

افغانستان میں روسی جارحیت و بربریت پر ایک سال گذر گیا، مگر غیر مسلم دنیا سے اس کے خلاف کوئی بے لاگ اور جرأتمندانہ مذمت بھی سننے میں نہیں آئی اس طرح یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ عالمی سطح پر سیاسیات کو اخلاقی گرفت سے بالکل آزاد کر دیا گیا ہے یعنی سیاست میں جنگ کی طرح "سب کچھ جائز ہے" کا اصول مان لیا گیا ہے، اور اس حمام میں سبھی ننگے نظر آتے ہیں، ملکی اور قومی مفاد میں آپ دوسرے ملکوں اور دوسری قوموں پر ہر طرح کا ظلم و جبر جاری رکھ سکتے ہیں، دوسروں کی ہر طرح سے حق تلفی کر سکتے ہیں بشرطیکہ آج کے "مہذب" سیاسی ماحول کے تقاضے کے مطابق اپنی ہر جارحانہ کارروائی کو دفاع، سرحدوں کی حفاظت، ملکی و قومی سلامتی اور علاقائی توازن کا نام دے سکیں اور اپنی سلامتی و آزادی کے خطرے میں ہونے کا رونا رو سکیں۔

چنانچہ روس نے بھی یہی چلا ہوا نعرہ اپنایا کہ افغانستان کی طرف سے اس کی سرحدیں خطرے میں پڑ گئی تھیں، مسلم ریاستوں میں بغاوت کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا، اور امریکا چین اور پاکستان وہاں مداخلت کرنے والے تھے۔

حیرت و افسوس اس پر ہے کہ ہمارا غیر جانبدار ملک؛ جسے اپنی آزاد خارجہ پالیسی رکھنی چاہئے اور ہندوستان کی جنگ آزادی میں افغانیوں کے دوستانہ تعاون کے صلے میں انکی آزادی کے لئے آواز اٹھانا چاہئے) وہ بھی ایک طرح سے روس کی ہاں میں ہاں ملا رہا ہے اور احتجاج کے بجائے اس سے دوستی اور تعاون کی پینگیں بڑھا رہا ہے اور اس طرح بالواسطہ طور پر روسی جارحیت کو تقویت دے رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر آج گاندھی جی، جواہر لال نہرو جی یا نیتا جی زندہ ہوتے تو ہندوستان کی اس مبہم پالیسی کو پسند کرتے؟ اور کیا یہ پالیسی ہندوستانی عوام کے ضمیر اور اخلاقی حس اور ہندوستان جیسے عظیم ملک کی خود مختاری اور خود داری کے شایانِ شان ہے؟

ہمیں مزید حیرت اس پر بھی ہے کہ خان عبد الغفار خاں جو اپنی جرأت اور صاف گوئی کے لئے مشہور رہے ہیں اُن تک نے روسی جارحیت کی تائید کر دی، برطانی سامراج سے لڑنے والا، روسی سامراج کی مذمت تک نہ کر سکا! یہ افغانستان کی بدقسمتی ہے کہ خاں صاحب جیسا شخص روسی ایجنٹ[۱] ببرک کارمل کا ہم خیال و ہم زبان بن جائے۔

اس وقت روس، افغانستان میں وحشت و بربریت، درندگی و بہیمیت کی وہ تمام شکلیں اپنا رہا ہے جو ایک شیطانی دماغ سوچ سکتا ہے۔ اخباری بیانات کے مطابق جس بستی سے کوئی چھاپہ مار حملہ ہوتا ہے اس پوری بستی کو نیست و نابود کر دیا جاتا ہے، فصلوں، باغوں اور آبادیوں پر دھادھند بمباری کی جا رہی ہے، بارودی سرنگیں بچھائی جا رہی ہیں، مسجدوں اور مدرسوں کو مسمار کیا جا رہا ہے، احتجاج کرنے والوں کو جیلوں میں ٹھونس کر انتہائی بے رحمانہ سلوک کیا جاتا ہے۔ افغانی عوام پر ظلم و ستم کے پہاڑ ٹوٹتے دیکھ کر کالجوں کے طلبہ و طالبات حتیٰ کہ چھوٹے چھوٹے بچے بھی احتجاج کرتے ہوئے سڑکوں پر نکل آئے جنھیں انتہائی بے دردی سے گولیوں کا نشانہ بنا دیا گیا، ایک بار پچاس طالبات کو پُل چرخی جیل میں بند کر دیا گیا اور ان کو بے آبرو کیا گیا اور انھوں نے گھروں کو جانے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ گھروں میں بھی ان کی عزتیں محفوظ نہیں۔

افغانی مجاہدین میں سے گرفتار ہونے والوں کو سائبیریا اور دوسرے مقامات کی جیلوں میں بھیج دیا گیا جہاں انھیں ایذا دہی کے جدید طریقوں سے اذیت پہنچائی جاتی ہے اور ہزاروں کی تعداد میں ان مسلم قیدیوں کا حشر اور انجام آزاد دنیا کو نامعلوم ہے۔

روزنامہ "دعوت" دہلی اور دوسرے اخبارات میں یہ خبر بھی آچکی ہے کہ سینکڑوں کی تعداد میں مجاہدین کو لکڑی کے بکسوں میں بند کر کے دریاؤں اور غلاظت کے جوہڑوں میں زندہ دفن کر دیا گیا۔

زہریلی گیسوں اور نیپام بموں کا بے دھڑک استعمال ہو رہا ہے اور ایمنسٹی انٹرنیشنل کے احتجاج کو امریکن پروپیگنڈا کہہ کر مسترد کر دیا جاتا ہے۔

اپریل ۱۹۷۸ء سے اب تک جب سے نور محمد تراکی کے ذریعہ کمیونسٹ انقلاب آیا ہے لاکھوں افغانی شہید ہوئے ہیں اس کے بعد چھوٹی موٹی تفصیلات کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی۔

افغانی مجاہدوں کے دو ترجمانوں نے یہ انکشاف کرتے ہوئے کہا کہ افغانستان میں سوویت روس کی فوجی مداخلت اور جنگی کارروائیوں کے نتیجے میں پانچ لاکھ افغانی مارے گئے، اور ۲۰ لاکھ کے لگ بھگ ایران اور پاکستان بھاگ گئے ہیں۔ کابل میں اقوام متحدہ کے ایک سابق عہدیدار مسٹر سعد الدین شاپون نے انکشاف کیا کہ روس اس کوشش میں مصروف ہے کہ جتنے ہی افغانیوں کو ملک سے باہر بھگایا جا سکے بھگا دیا جائے تاکہ افغانستان کی آبادی کم ہو جائے اس انکشاف میں جناب شاپون کے شریک جناب بہاء الدین مجروح استاذ ادب کابل یونیورسٹی بھی تھے۔

(روزنامہ "آبشار" کلکتہ ۲۲ نومبر ۱۹۸۰ء)

روسی پروپیگنڈے کے باوجود آج ساری دنیا جانتی ہے کہ روس افغانستان میں ہر طرح کی انسانیت سوز اور وحشت و بربریت درندگی اور حیوانیت پر مبنی حرکتیں کر رہا ہے اور "انقلاب و ترقی" "سوشلسٹ سماج" "عوامی مفاد" "دوستانہ امداد" جیسے کھوکھلے نعروں کی راہ میں انسانی جانوں اور بین الاقوامی اصول کی اسے کوئی پروا نہیں۔

روس کے جارحیت پر اصرار سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اخلاقی دباؤ اور صرف احتجاج و مذمت سے افغانستان سے ہٹ نہیں سکتا صرف مجاہدین کی سرگرمیاں اور افغانی عوام کی تاب مقاومت اور بیرونی طور پر فوجی و سیاسی دباؤ ہی اس کے قدم اکھاڑ سکتا ہے۔

روس جس طرح افغانی عوام کو دھادھند بمباری کا نشانہ بنا رہا ہے اس سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ افغانستان میں نسل کشی (Genocide) پر آمادہ ہے اور اسے اگر تمام افغانیوں کو بھی ختم کر کے افغانستان کی سرزمین مل جائے تب بھی وہ اس کے لئے تیار ہے۔ اس ذہنیت کا اندازہ افغانی کمیونسٹ پارٹی کے ایک نمائندے کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ "موجودہ جنگ میں آدھے افغانی کام آجائیں گے اور حکومت کے ہم خیال آدھے افغانی باقی رہ جائیں گے تب اس وقت افغانستان حقیقی معنوں میں آزاد ہوگا۔" (سوریہ انڈیا جولائی ۱۹۸۰ء)۔

مجاہدین کے چھاپہ مار حملوں کو پسپا کرنے کے لئے اب روسی فوج نے یہ حکمت عملی اختیار کی ہے کہ جس علاقے سے ایسا کوئی حملہ ہو تو اس پورے علاقہ پر بمباری کر دی جائے چنانچہ اس کے نتیجے میں بیسیوں گاؤں اور آبادیاں تباہ و برباد ہو گئی ہیں۔ ابھی اخیر جنوری ۱۹۸۱ء میں ہرات کے علاقے کی ایک خبر کے مطابق روسیوں نے ایک بازار اور اس کی ملحقہ آبادی پر اندھادھند فائرنگ کی اور معصوم عوام کا سارا سامان جلا دیا۔

قتل و غارت اور بغاوت و تشدد کمیونسٹ تحریک کے بنیادی اصول میں ہے اور تحریک ماوزے تنگ کے اس قول پر ہمیشہ عمل پیرا رہتی ہے کہ "انقلاب بندوقوں کی نال سے نکلتا ہے۔"

افغانستان میں کمیونسٹ انقلاب کی زد میں سب سے پہلے وہاں کی تحریک اسلامی کے بانی پروفیسر غلام محمد نیازی آئے جو کابل یونیورسٹی میں شریعت فیکلٹی کے صدر تھے وہ اپنے ہزاروں ساتھیوں کے ساتھ جیل گئے اور پھر ان کا حشر اب تک نامعلوم ہے، اسلامی تحریک کے وہ رہنما جو کمیونسٹ مداخلت کی بھینٹ چڑھے ان میں استاد سراج الدین ربانی، عبد الرحیم نیازی، پروفیسر حبیب الرحمٰن شہید، انجینئر سیف الدین شہید، ڈاکٹر عمر شہید، غلام ربانی شہید اور عبد القادر شہید جیسے لوگوں کے نام شامل ہیں، ببرک کارمل کے آتے ہی نور المشائخ شیخ ابراہیم مجددی (دلائے شور بازار اور سلسلہ مجددیہ کے ممتاز شیخ) کو شہید کر کے ان کی خانقاہ کو تاراج کر دیا گیا۔

[۱] خدا کا شکر ہے کہ پچھلے دنوں خانصاحب بھی اپنے گرد روسی حراست اور محاصرہ سے تنگ آکر اس پر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا ہے۔

مگر افغانی مسلمان ظلم و ستم کے ان پہاڑوں کے نیچے دب کر بھی دل شکستہ اور بے حوصلہ نہیں ہیں بلکہ ان کے ایمان و یقین میں اور اضافہ ہوا اور ان کے پائے ثبات میں مزید استحکام آگیا ہے اور وہ اپنے موقف پر اور مضبوطی کے ساتھ جم گئے ہیں۔

ولما رأ المومنون الاحزاب قالوا هذا ما وعدنا الله و رسوله وصدق الله و رسوله وما زادهم الا ايمانا وتسليما

(الاحزاب)

(جب مومنوں نے کافر فوجوں کو دیکھا تو کہا یہ وہی ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول سچے ہیں اور اس بات نے ان کے ایمان اور تسلیم و رضا ہی میں اضافہ کیا)۔

ایسے ہی جانباز و جاں نثار مومنوں کے لئے قرآن مجید میں کہا گیا ہے:۔

"ان الذين قالوا ربنا الله ثم استقاموا فلا خوف عليهم ولا هم يحزنون" (الاحقاف)

(جن لوگوں نے اعلان کیا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ جمے رہے تو نہ اُن پر خوف طاری ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے)۔

ایران و افغانستان میں اسلام کے قربانی کے ایسے جذبات دیکھ کر جن سے قرون اولیٰ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے یہ امید بندھتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح مسلمانوں کی چھوٹی سی فوج کے ذریعہ اپنے وقت کی دو بڑی طاقتوں (روم و ایران) کو پامال کر دیا تھا اسی طرح وہ عہد حاضر کے دونوں سامراجی طاقتوں کو ان چھوٹے اور نہتے مسلم ملکوں کے ذریعہ سبق سکھائے گا کیونکہ اسلام کے نام پر کھڑے ہونے والے ان ملکوں نے اس کا کافی ثبوت فراہم کر دیا ہے کہ اسلام ہی مسلمانوں کی طاقت کا سرچشمہ ہے ؎

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

ایران کا دشت کربلا امریکا کے لئے وادی تیہ بن گیا اور اس کا سر غرور سارے عالم کے سامنے نیچا ہو گیا۔

افغانی مجاہدین کے ایمان و عمل کا یہ عالم ہے کہ وہ فاقے کر کر کے جنگ جاری رکھے ہوئے ہیں، سامان جنگ اور رسد کی شدید کمی اور گویا نہتے ہونے کے باوجود وہ وقت کی دوسری بڑی فوجی و صنعتی طاقت سے بڑھ بڑھ کے مورچے لے رہے ہیں، محاذ سے ایسی خبریں بھی آتی ہیں کہ بسا اوقات مجاہدین ایک ایک سیب اور سنترہ کھا کر شب و روز لڑتے رہے۔

بمباری اور ہوائی حملوں سے بچنے کے لئے مجاہدین زیادہ تر راتوں کو شب خون مارتے ہیں اور روسیوں کی بزدلی کا یہ نقشہ ہے کہ وہ مجاہدین سے دست بدست جنگ اور مڈبھیڑ سے کتراتے بلکہ افغانی عوام کے خوف سے پبلک مقامات سے دور رہتے ہیں جہاں انھیں افغانیوں کے غیظ و غضب کا نشانہ بننا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ روسی فوج عموماً قافلوں کی شکل میں چلتی ہے، مگر بارہا مجاہدین نے اُن پر بھی حملے کر کے انھیں سخت نقصان پہنچایا۔

موجودہ صورت حال یہ ہے کہ افغانستان کے ۹۰ فیصد علاقے پر مجاہدین کا قبضہ ہے اور وہ کابل کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے ہیں اور اُن کا ایک دستہ کابل سے کُل چھ کلومیٹر پر مقیم ہے اور موقع کی تاک میں ہے۔ (قومی آواز ۲۷ جولائی ۸۰ء)

اب افغانی عوام کے صبر و ضبط کا پیمانہ لبریز ہو چلا ہے جس کی علامت وہ عوامی مظاہرے ہیں جو کئی ماہ قبل کابل کی سڑکوں پر ہوئے۔ اسکولوں اور کالجوں کے طلبہ و طالبات برابر ہڑتالیں کر رہے ہیں، دکاندار بھی اسٹرائک کرتے رہتے ہیں۔

روسیوں کو مادی فلسفے نے اس قابل ہی نہیں رکھا ہے کہ وہ اسلام کی اخلاقی و روحانی طاقت کا صحیح اندازہ کر سکیں اور حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے جارحیت کے ارتکاب سے باز رہیں انھیں یہ نہیں معلوم کہ افغانی مسلمان کو ایمان و اسلام کے بعد آزادی و خود مختاری سب سے زیادہ عزیز ہے انھوں نے اپنی پوری تاریخ میں اپنی آزادی کا سودا کبھی نہیں کیا ہے۔ تاتاری، زار کا روس اور انگریز بھی دیکھ چکے ہیں کہ جب انھوں نے افغانستان کی آزادی کو خطرے میں ڈالا تو افغانی مرد تو مرد افغانی عورتیں اور بچے تک میدان میں آگئے ہیں اور افغانی سرزمین نے حملہ آوروں کے قدموں تلے پامال ہونے سے انکار کر دیا ہے دنیا کے ہر ملک کا قومی نشان ہے تو دنیا کو اور سب سے پہلے روس کو یہ معلوم ہو جانا چاہئے کہ افغانستان کا قومی نشان "آزادی" ہے جو افغانیوں کی رگ و پے ہی میں نہیں سرایت کئے ہوئے ہے بلکہ وہاں کے شجر و حجر کے اندر بھی انگڑائی لیتی ہے جذبۂ حریت افغانوں کے خمیر میں بھی موجزن ہے اور افغانستان کے کوہ و دمن کے خمیر میں بھی۔

سوویٹ یونین میں ناجائز منافع خوری

ستیہ پرکاش

ان دنوں ہندوستان میں ناجائز منافع خوری کے خلاف پروپیگنڈہ زوروں پر ہے اور اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ناجائز منافع خوری ایک سماجی جرم ہے۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں کہ اگر حکومت تجارت کو کلیۃً اپنے ہاتھ میں لے لے تو سماجی بُرائی کا از خود خاتمہ ہو جائے۔ کم از کم روس میں ایسا نہیں ہوا۔ کمیونزم نے صرف یہی نہیں کہ اس برائی کا خاتمہ نہیں کیا بلکہ اسے اور بڑھا دیا ہے۔

مشترکہ کھیتوں کی مارکیٹ نظریاتی طور پر ایک ایسا بازار ہے جہاں کسان اپنے نجی پلاٹوں کی پیداوار فروخت کر سکتے ہیں لیکن یہی بازار ملک گیر چور بازاری کے مراکز بن گئے ہیں ان بازاروں میں قیمتیں کہنے کو تو معین اور طے شدہ ہیں لیکن خریداروں کو بالعموم چار گنا قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ ایک سپلائی سسٹم ناقص ہے دوسرے اشیاء کی قلت ہوتی ہے اس لئے مہنگے داموں خریدنے کے سوا خریدار کے لئے کوئی چارہ نہیں۔ کسان بالعموم اپنا مال اپنے ہی پلاٹ پر نہیں بیچتے۔ قانون انھیں اجازت دیتا ہے کہ وہ اسے دور دراز سے دور دراز مقام پر لے جا کر بھی فروخت کر سکتے ہیں۔ ناجائز منافع خوری کی ابتدا یہیں سے ہوتی ہے۔ ناجائز منافع کمانے والے خریدتے کہیں سے ہیں اور بیچتے ہیں کہیں اور جاکر۔ اگر کوئی پوچھ بیٹھے تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ ان کا اپنا مال ہے۔ کچھ تو یہ لوگ اپنی چالاکی سے بچ جاتے ہیں اور کچھ حکام کی پردہ پوشی سے۔ سودیتیا روسیا نے تحقیقات کے بعد ۲۷ اگست ۱۹۸۰ء کو لکھا تھا کہ اس قسم کا کاروبار آذربائیجان میں خاص طور پر زوروں پر ہے۔ اس رپورٹ میں کچھ مقدموں کا ذکر بھی تھا۔ بعض ملزموں کو تین سال سے پانچ سال قید تک کی سزائیں دی گئیں۔ بسا اوقات یہ لوگ کسان کا پورا اسٹاک مقررہ قیمت پر خرید کر اسے دوسری جگہوں پر من مانی قیمت پر فروخت کرتے تھے۔

ایک معمہ یہ ہے کہ سبزیاں اور پھل دور دراز مقامات پر کیسے پہنچا دئے جاتے ہیں۔ ایک چابک دست عارف الحمود نے بتایا کہ وہ ڈیڑھ ٹن سبزیاں اور پھل چلتی پھرتی گاڑیوں پر بلا کرایہ ادا کئے لے گیا۔ ظاہر ہے کہ اس نے ڈرائیوروں کو کچھ نہ کچھ ضرور دیا ہوگا، اور اسے عرف عام میں رشوت ہی کہیں گے۔ ایک اور چابک دست چار سو کیلو گرام سیلنگ کار میں لے گیا۔

اپنی منزل مقصود پر پہنچنے کے بعد چور بیوپاریوں کو جائے قیام کے حاصل ہونے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ کچھ تو نجی مکانوں میں ٹھہر جاتے ہیں لیکن آرام دہ ہوٹلوں میں رہنا پسند کرتے ہیں اور ہفتوں تک وہاں پڑے رہتے ہیں۔ اصولی طور پر ہوٹلوں میں وہی لوگ ٹھہر سکتے ہیں جو وہاں سرکاری کام کے لئے گئے ہوں۔ ان لوگوں کو چھوڑ کر جو سائبیریا سے آتے ہیں پانچ دن سے زیادہ ٹھہرنا منع ہے۔ لیکن ایک شخص ڈرا فاروف جو نہ سرکاری کام کے لئے گیا تھا اور نہ سائبیریا سے آیا تھا ڈبل بیڈ والے کمرے میں کافی دن ٹھہرا رہا۔ ہوٹل کے ملازم اس کا کوئی جواز پیش نہ کر سکے۔ ظاہر ہے کہ یہ رشوت کا کارنامہ تھا۔

سوویت سکایا حیران ہے کہ یہ سب کچھ کیسے ہو جاتا ہے لیکن جو لوگ دماغ سے کام لینا جانتے ہیں وہ یہی کہیں گے کہ جہاں اشیائے ضروریہ کی قلت ہوگی وہاں بلیک مارکیٹ ضرور ہوگی۔

سرزمین رنگ و بو لکھنؤ کے مسحور کن عطریات
شمامۃ العنبر
زعفرانی حنا
کارخانہ
محمد سلیمان محمد یوسف پرفیومرس
یوسف بلڈنگ نادان محل روڈ لکھنؤ (انڈیا) سے طلب کریں

عطاء الرحمٰن صدیقی ندوی

پندرہویں صدی ہجری ـــــــ ایک لمحۂ فکریہ

پندرہویں صدی ہجری کے استقبال کی تیاریوں کی اطلاعات واعلانات تقریباً پچھلے ایک سال سے اخبارات ورسائل کا دلچسپ موضوع بنے ہوئے ہیں۔ عالمگیر سطح پر بھی خلاف واقعہ نئی صدی ہجری کا استقبال بڑے وسیع پیمانہ پر کیا گیا۔ مختلف اسلامی وغیر اسلامی ممالک میں بڑی بڑی ہجرت کانفرنسیں منعقد کی گئیں، مختلف قرارداد وتجاویز پر مختلف حیثیات سے غور وخوض کیا گیا اور بعض اہم فیصلے بھی کئے گئے۔ اسلامی ممالک کا اس صدی ہجری کے آغاز پر اظہار مسرت کوئی ناقابل فہم واقعہ نہیں۔ مگر تعجب خیز ضرور ہے۔ واقعہ ہجرت کا یادگاری حیثیت سے منانے کا یہ خیال ۱۴۰۰ سال کی تکمیل کے بعد پہلی مرتبہ بالکل اچانک سامنے آیا ہے ورنہ اب تک نہ جانے کتنی صدیاں آئیں اور بیت گئیں مگر تاریخ کے اوراق میں اس قسم کی مثال نہیں ملتی۔

ہندوستان میں بھی سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر بڑے وسیع پیمانہ پر تقریبات منائی گئیں۔ ڈاک ٹکٹ کے اجرا، سرکاری، غیر سرکاری طور پر بھی مسلمانوں کی تنظیموں نے مختلف پروگرام مرتب ومنعقد کئے، اور مرتب ومنعقد کئے جارہے ہیں۔ مگر جو چیز سب سے زیادہ کھٹکتی ہے اور جو شبہات رہ رہ کر دل میں چٹکی لیتے ہیں، وہ ان استقبالیہ پروگراموں کا بھیانک وخونیں پس منظر ہے۔ عالمگیر پیمانہ پر بھی اور خصوصاً ہندوستان کی حد تک امت مسلمہ جس کرب وبلا اور مسلم کشی کے جس خون ریز وخوں فشاں دور سے گذر کر پندرہویں صدی ہجری کے دوراہے تک پہونچی وہ انتہائی مایوس کن اور امت مسلمہ کے لئے ایک لمحۂ فکریہ ہے۔

آئیے ان تقریبات صدی ہجری کے پس منظر میں دبے ہوئے خوفزدہ احساسات یا "خوش گمانیوں" کا تجزیہ کیا جائے کہ وہ کیا اسباب وعوامل ہیں! امت مسلمہ جن کا شکار رہی ہے۔ اور اب بھی اپنے عالمی مستقبل سے خوفزدہ اور غیر مطمئن ہے، عالمی بساط سیاست کے تجزیہ سے واضح طور پر یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ نئی صدی ہجری میں امت مسلمہ کو بحیثیت دین ومذہب اور عقائد وعبادات نقصان پہونچانے کے امکانات بہت کم اور بحیثیت امت مسلمہ (قوم) بے حیثیت وبے وقعت محتاج ودست نگر بنائے رکھنے کے امکانات بہت زیادہ ہیں۔ امت مسلمہ کو پندرہویں صدی ہجری میں اپنے وجود کو برقرار رکھنے اور عزت وسربلندی کے ساتھ جینے کے لئے کافی جدوجہد کرنی پڑے گی۔

چودہویں صدی ہجری میں امت مسلمہ غیر محسوس طریقہ پر دوطرفہ چیلنج کا شکار رہی ہے۔

۱۔ وسائل اعلام وابلاغ اور ذرائع نشر واشاعت کی بہتات وکثرت استعمال۔

۲۔ سیاسی اقتدار وقوت کی طرف سے غفلت ومحتاجی، سیاسی اقتدار وقوت بھی مستقل ایک فتنہ ہے، کبھی اس کی ہوس فتنہ بنی رہی اور آج اس کی طرف سے چشم پوشی اس سے زیادہ بھیانک چیلنج بنی ہوئی ہے۔ وسائل ابلاغ اور نشر واشاعت کے ذریعہ تبلیغ اسلام نیز احیائے اسلامی کے سبز باغ دکھلا کر اندرونی طور پر امت مسلمہ کو کمزور اور کھوکھلا بنا دیا گیا ہے۔ مختلف النوع وسائل اعلام وذرائع نشر واشاعت خصوصاً اخبارات وصحافت کی راہ سے امت مسلمہ کو کچھ اس طرح گرفتار کیا گیا کہ غیر محسوس طریقہ پر الٹی ہی چال چلی گئی۔ نتیجۃً "کام کرنے کی اسپرٹ" اور روح فنا ہو چکی ہے، قول وفعل کا منافقانہ تضاد اتنا بڑھ چکا ہے کہ بے قابو ہو کر کھوکھلے پن کی آخری حدوں کو چھونے لگا ہے، امت مسلمہ کی طاقت کا راز، طریقہ کار کا خاموش انداز (جو اب تک کی ساری کامیابیوں کا سب سے بڑا محرک رہا ہے) ابھر کر سامنے آگیا اور باطل طاقتوں نے فوراً دفاعی پوزیشن اختیار کر لی۔ تمام باطل طاقتیں اس نکتہ پر متفق ہیں کہ اسلام کی مخالفت کے لئے براہ راست مذہب ونظریات کی مخالفت لاحاصل ہے بلکہ اصل نشانہ اس نظریہ کے پیروکار افراد کی سیاسی قوت اور عملی سرگرمیوں کی پوشیدہ مخالفت اور سرکوبی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیکڑوں مؤتمرات وکانفرنسیں آئے دن منعقد ہوتی رہتی ہیں مگر عملی میدان میں مثبت نتائج کا تناسب صفر کے برابر ہے، ابھرتی ہوئی تحریک اسلامی اور اسلامی بیداری کی ادنیٰ سی لہر بھی کچھ عرصہ بعد گمنامی کا شکار ہو جاتی ہے آج منظر عام پر اگر اسلام اور اسلامیت کے نام سے خواہ کتنا ہی ہنگامہ برپا کیا جائے مگر امت کا سنجیدہ نوجوان طبقہ اکابرین اور دیدہ ور مفکرین ملت بڑے کرب کے ساتھ اس سنگین نفسیاتی صورت حال پر بے چین ومضطرب ہیں۔

یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ اس وقت عالمی طاقتوں کے پاس عالم اسلام کے مقابلہ میں مختلف النوع وسائل کی بے انتہا کثرت اور عالمی سوجھ بوجھ رکھنے والے بہترین دماغ کثیر تعداد میں موجود ہیں جو ہر آن اور ہر لحظہ عالم میں پیش آنے والے واقعات کا سروے اور تجزیہ کرتے رہتے ہیں ان کا طرز فکر غلط ہوتے ہوئے بھی عالمی ہے۔ وہ ہر واقعہ اور ہر حرکت کو ایک خاص پس منظر میں دیکھنے اور مخصوص حل تلاش کرنے کے قائل ہیں اور اپنے مخصوص مقاصد کے حصول کے لئے موقع کے متلاشی رہتے ہیں۔ اور اس کا دفاع بلکہ اقدامی صلاحیت کو اپنانے کے لئے امت مسلمہ کو بھی عالمی طرز فکر کے خلاف کچھ ایسے اقدامات کرنا چاہئے جو اب تک نہیں ہوئے اور اپنی عالمی طاقت وقوت کا اپنا مضبوط اور بھرپور مظاہرہ کرنا چاہئے کہ دشمن طاقتیں امت مسلمہ کو لقمۂ تر بنانے کی جرأت نہ کریں اور امت مسلمہ امن وسکون کے ماحول میں پوری آزادی کے ساتھ اپنے دینی احکامات اور دنیاوی فلاح وبہبود پر عمل پیرا ہو سکے۔

چودہویں صدی ہجری کے ربع آخر کی ابھرتی ہوئی نسل جسے پندرہویں صدی ہجری کے نصف اول میں دینی وملی قیادت کے فرائض انجام دینے ہیں اسی نظریہ کے زیر سایہ پروان چڑھی ہے اور اس کے ازالہ کے لئے بڑی دقت نظر، معاملہ فہمی، سوجھ بوجھ اور طاقت وقوت سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ اور بقول حسن البنا Every Muslim must be a Topper in every Field. جو انھوں نے واعدوا لهم ما استطعتم من قوة کی تفسیر ذیل میں کہی۔

چودہویں صدی ہجری کے سرسری تجزیہ ہی سے یہ افسوسناک حقیقت سامنے آتی ہے کہ عالمی نقشہ سے اسلامی ممالک کا وجود کس تیزی کے ساتھ ختم کر دیا گیا۔ عالمی جنگ عظیم کے نتیجہ میں خلافت عثمانیہ کے خاتمہ سے جیسے تسبیح کا دھاگہ ٹوٹ گیا ہو۔ یکے بعد دیگرے سارے اسلامی ممالک عالمی نقشہ سے ختم ہوتے چلے گئے۔ کیسے کیسے اسلامی ممالک جو کبھی علوم اسلامیہ کا منبع وماخذ تھے اب لادینیت ودہریت کی آماجگاہ بنے ہوئے ہیں اور بچے کھچے نام نہاد اسلامی ممالک اور ان کے سربراہ باطل طاقتوں کا ڈرامائی اسٹیج بنے ہوئے ہیں اور بتدریج گمنامی کی سرحد کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ مصر، شام، لیبیا، اردن، عراق کی غلامانہ سیاست اور اسلام بیزاری کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ ترکی کس سازش کا شکار ہے؟ افغانستان جیسا چھوٹا سا بے ضرر اسلامی ملک کیوں اور کیسے کس نظریہ کی بھینٹ چڑھ گیا؟ ایک عرصہ بعد ایران نے باطل طاقتوں کے چنگل سے نکلنے کا جرأتمندانہ مظاہرہ کیا تھا مگر وہ اپنے عبوری دور ہی میں ایک مرتبہ پھر خاموش سازشوں کا شکار ہو کر اپنی پوری حاشیات تباہ کر چکا ہے۔ پاکستان دو چکیوں کے درمیان احیاء اسلامی کے نازک تجربہ سے گذر رہا ہے۔ متحدہ عرب امارات (U.A.E.) عیسائیت کی لپیٹ میں ہے۔ وہاں مادی ترقیات کا جال پھیلا کر ۸۰ فیصد عیسائی مشنریاں اپنے خاص فرائض انجام دے رہی ہیں۔ جنوبی افریقہ اور اس کا معاشی نظام کس رخ پر بہہ رہا ہے؟ فلسطینی تنظیم آزادی الفتح کے مایہ ناز لیڈر یاسر عرفات کا موقف کیسے بدل گیا؟ قبلۂ اول بیت المقدس کی پکار کب سنی جائے گی، اور کون سنے گا؟ اسرائیل جہاں اب اپنا دار الخلافہ بنا کر ہمیشہ کے لئے قابض ہونا چاہتا ہے، کیا پانچ لاکھ افغانی شہداء کا خون رائیگاں چلا جائے گا! دنیا کے سب سے زیادہ مسلم آبادی والے ملک انڈونیشیا کے مسلمانوں کی حالت زار پر کب تک ماتم کیا جائے گا! آخر کب تک اسلامی ممالک کے سربراہ باطل قوتوں کے دست نگر ومحتاج بنے رہیں گے اور کب تک امت مسلمہ مرگ ضعیفی کا شکار رہے گی
حکومت پر زوال آیا تو پھر نام ونشاں کب تک
چراغ کشتۂ محفل سے اٹھے گا دھواں کب تک

چودہویں صدی ہجری کا عالمی سیاسی تجزیہ بڑے بھیانک نتائج کی نشاندہی کرتا

(بقیہ صفحہ ۱۱ پر)

کینیا ۔ مسلم اقلیت کے لئے دہشت کا جہنم

ترجمہ: شہر البنات اسلامی

[illegible]

کینیا کے مظلوم مسلمان عالم اسلام سے سوال کرتے ہیں کہ بے بسی اور غلامی کے یہ دن کب ختم ہونگے؟

[illegible]

ایک ماہ میں ایک ہزار مسلمانوں کو قتل کیا گیا، ۵۰۰ مکان جلا دیئے گئے
سیکڑوں صومالی باشندوں کو جیلوں میں ٹھونس دیا گیا ہزاروں مویشی ضبط کر لئے گئے
عورتوں کی آبروریزی کی گئی۔ نابالغ لڑکیوں کے سینے تک کاٹ ڈالے گئے

نگران اعلیٰ:
مولانا ابو العرفان ندوی
مجلس ادارت:
نذر الحفیظ ندوی
شمس الحق ندوی
محمود الازہار ندوی
پرنٹر پبلشر جمیل احمد ندوی نے جے کے آفسیٹ پرنٹنگ پریس دہلی میں طبع کرا کر دفتر "تعمیر حیات" ندوہ لکھنؤ سے شائع کیا۔